اہمیت کی بات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہمیت کی بات

"مصنف"

محمد شکور شاکر "نمانا"

حقوق وضوابط محفوظ

کتاب کا نام: اہمیت کی بات

مصنف: محمد شکور شاکر "نمانا"

کمپوزنگ: ندیم عباس سموں، محسن علی پیرزادو

تالیف وترتیب: عائشہ زادی راؤ

پروف ریڈنگ: محمد اویس راؤ

ناشر: مومل صبا کامران رانا

مددگار: محترم جناب نورانی سائیں

قیمت: صدقہ جاریہ، سداں جاریہ!

رقم: ہدیہ دُعا کا!

ملنے کا پتہ

فقراء درگاہ عالیہ مرشد پاک بابا نمانو سائیں صوفی قادری قلندری

امن پور شریف، جلال گوٹھ، گھوٹکی، سندھ

فون: 0723681722، موبائل: 03005207923

Email: rao_awais@ymail.com

www.rrgroup.com.pk, www.bhs-suk.org

فہرست

صفحہ	مضامین	نمبر
07	عہد نامہ!	1
10	دُعائے مغفرت!	2
11	آدم کی ہوا بدلی!	3
13	اسلام کے انصاف!	4
15	خدمت میں علم پنہاں ہے!	5
17	حکمت سازی!	6
20	تنقیدی نوٹ!	7
20	پاکستان کا سپوت، سندھ کا پوت!	8
23	مثبت بات!	9
26	دُعا گداز!	10
28	بیوی نامہ!	11
29	مرض کی حکمت کی سمجھ!	12
33	آنکھوں کے سجدے!	13
34	شعور رکھ!	14
36	کلام کا جواب!	15
37	بات کی حکمت!	16
38	صحبت کی بات سے!	17
38	سچا اور اصلی خواب!	18
39	اپنا گریبان!	19
40	دینے میں دل سے خوشی!	20
41	ماں میں مام پھر بھی انعام!	21
43	فیس بک سے سوال!	22
44	بلندی کی نظر!	23

24	آگہی میری!	46
25	خود پر بھی نظر رکھ!	47
26	مصنف ضامن ہے!	49
27	اللہ کو سمجھنے کے طریقے!	51
28	دنیا کا کارواں کیسے چلتا ہے؟	53
29	پتے کی بات!	54
30	آج کے زمانے کی بات!	55
31	حسرت بمقابلہ مسرّت!	57
32	مصنف ضامن ہے!	58
33	اللہ کے کام اللہ ہی جانے!	60
34	حکیم کی حکمت!	61
35	ذکر کی سواری!	63
36	صرف میری نظر میں ہے (تصوّف)!	64
37	دنیا میں داتا نے بھیجا ہم کو دلیری کے لیئے!	64
38	زمانے کی بات!	65
39	صرف مجھ تک!	66
40	مصنف ضامن ہے!	67
41	مصنف ضامن ہے!	68
42	پروردگار!	69
43	شاکر ضامن ہے!	70
44	سیان کی بات!	72
45	مصنف ضامن ہے!	74
46	کسی فلاسفر نیک آدمی کا!	75
47	معلومات!	76
48	مصنف ضامن ہے!	77
49	اندر کی بات!	78

79	موڈ ہو توڈھونڈ!	50
80	وحدانیت!	51
81	"ق" کا مطلب!	52
82	وصف سے واقفیت!	53
83	اچھی بات!	54
84	خیال!	55
86	نصیحت!	56
87	مصنف ضامن ہے!	57
90	قسمت میری!	58
93	اہل دل اور بد دماغ کی نشانی!	59
95	لاج ونت!	60
97	خود کا خیال!	61
98	آپ میں نظم!	62
100	حروف مَبانی!	63
101	یادداشت اپنی!	64
103	پیسے کی اہمیت!	65
104	بھرم کا بھروسہ!	66
105	اعمال!	67
106	فیض کا فیضان!	68
107	میں اور میری سمجھ!	69
108	میری کُل عقل!	70
109	وسوسہ میرا!	71
110	عشق کا دستور!	72
111	تقویٰ بھی، توبہ بھی!	73
112	وقت نے بات بتائی!	74
113	مصنف ضامن ہے!	75

76	اخلاقیات !	116
77	تندرست درست !	117
78	شمع کے پروانے جل کر ضائع نہیں ہوتے !	118
79	بنیاد کی یاد (غوروفکر) !	120
80	دین کا درس،دَور کے حساب سے !	122
81	آج کی بات !	123
82	آس کی پیاس !	124
83	حسرت بے حساب !	125
84	وقت کی سکت !	126
85	عین الیقین !	127
86	دھول کی دُھند !	128
87	اُلجھ میں سُلجھ !	129
88	شکر کے شریان !	130
89	بُوٹی کی بات !	131
90	پیچھے کی آنکھ !	133
91	اللہ کی طلب !	134
92	اللہ سچا دوست !	136
93	نمانے ہی سیانے !	137
94	خیال میں جمال !	138
95	دل الٹ گئے !	139
96	دیکھ کر گاڑ میخ !	141
97	دھوکے میں تجھے موقع !	144
98	دغا میں وفا !	145
99	غداری سے اقتداری !	146
100	ڈی۔این۔اے !	147
101	اوقات کی سوغات !	148

102	پہلے خالی ہو، پھر مالی ہو!	149
103	میلان کا اعلان!	150
104	سب کو پہچان!	152
105	تقدیر کی راہ!	53
106	تنقید پر یقین!	154
107	اُلٹ پُلٹ!	155
108	مواقع!	156
109	تقدیر بھی تیرے خود کے ہاتھ!	157
110	بورے بھرم کے!	157
111	پرکھ کا ترازو اندر کا!	158
112	پی پیار!	159
113	فرض کرو...!	159
114	اصل تو مشکل ہی ہے!	60
115	صبر کی سکت!	161
116	تلاش کے متلاشی!	162
117	موت سے جوت!	163
118	شور میں ڈھونڈ مور!	164
119	عمل سے چمن بنا!	165
120	ادب کی بات!	166
121	عدم کی بات!	168
122	حق موجود!	169
123	پختہ یقین!	170
124	پہلے الزام پھر الہام!	171
125	بندہ پروری!	172
126	آئینہ گری!	173

سُوْرَةُ الفَاتِحَة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ
یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا
الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ
غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے ﴿۱﴾ بڑا مہربان نہایت رحم والا ﴿۲﴾ انصاف کے دن کا حاکم ﴿۳﴾ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ﴿۴﴾ ہم کو سیدھے رستے چلا ﴿۵﴾ ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا ﴿۶﴾ نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے ﴿۷﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آداب عرض: عہدنامہ

قارئین سے عرض گذارش ہے کہ مجھے علم دین میں سے ذرّہ برابر جو بھی علم ملاوہ بذریعہ میرے مرشد ہادی پاک حضرت واحد بخش نمانو سائیں سے ملا۔ اس کا مقد میں نے ایسے پایا کہ جو علم میرے ہادی نے سینہ بہ سینہ اللہ کی مہربانی سے مجھے عطا کیا تو اس عطا کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ بس دنیا میں اپنا اور میرے مرشد نمانو سائیں کا عطا کردہ علم کتاب، کلام، غزل، گیت، کافی، نظم اور قصیدہ کی صورت میں لکھ کر مخلوق کو بھی اور جن کے نصیب کا فیض ہم سے جڑا ہے ان سب کو فائدہ پہنچاؤں اور میں اُس جہاں میں یعنی قبر سے لیکر عالمِ برزخ تک اپنے مرشد سے کیے ہوئے عہدنامے کے ساتھ جاؤں، وہاں پہنچ کر میری ملاقات ضرور میرے ہادی و مرشد سے ہو گی اور سجن دوست، رشتہ دار، میرے تایا، چاچا، نانا، والد، والدہ اور دستور کے مطابق محبت کرنے والوں سے اور پیار دینے والوں سے بھی ہو گی اور ضرور میں ان کے سامنے سرخرو ہونگا۔ وہ سب ضرور میرے ضامن میرے ہادی و مرشد حضرت نمانو سائیں کے ساتھ ملکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کا واسطہ دیکر میری سفارش حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کریں گے۔ مجھے اور مجھ سے وابستہ لوگ اور عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کو ضرور امید ہو گی کہ دنیا میں جو خطائیں ہوئیں ہیں اُن خطاؤں کی ضرور معافی ملے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اور پوری دنیا کے انسانوں کو معاف کرے اور دنیا میں امن فرمادے، اللہ پاک انسانوں کو انسان ہونے کی ہدایت دے، میرے عہد کے وفا کی تفصیل مندرجہ ذیل تحریر میں ہے۔

(فقط محمد شکور شاکر "نمانا")

نثر		تخلیق		نظم			
شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام
01	لاعلم کی بات	30	دنياداري	59	دُعادائم قائم	88	دیوان آثار
02	عبرت کی بات	31	لوہے جیسی بات	60	دُعااعمال	89	دیوان افکار
03	عقل بڑی یا بھینس	32	دُعاایمان	61	آسمان جي دُعا	90	دیوان درد دیدار
04	بھید کی بات	33	دعا گمر غمر	62	آدم جي دُعا	91	دیوار اشعار
05	زمین کی بات	34	راز رمز	63	دُعا ڪلياڻ	92	دیوان شعور
06	حکمت کی بات	35	دعا ڏاڍو	64	دُعادرد	93	بندی جی بنیاد
07	درد کی بات	36	دُعاامان	65	دُعادیوان	94	نیاز کی نظم
08	آفاقی بات	37	دُعاگمان	66	قوالی سوالی	95	ثناءَ گر گمنام
09	صُحبت کی بات	38	دُعازمان	67	امن کی ریت	96	دیوان مجموعہ کلام
10	ہمت کی بات	39	دُعامکان	68	راگ کا بھاگ	97	دیوان مجموعہ سلام
11	اہمیت کی بات	40	دُعاجی دُکان، سندھی	69	روح میں راحت	98	دیوان مجموعہ الہام
12	دانائي جو ڏڳ	41	دُعاجہان	70	دوست دُعا	99	دیوان مجموعہ جناب
13	دل جي دانائي	42	سنگیت جی بات	71	دنیادوست	100	دیوان مجموعہ احکام
14	دل و دماغ کے درمیان دین	43	بھگتی جی بات	72	دنيا جي لاءِ دُعا	101	دیوان مجموعہ احترام
15	عقل ناهي وس ۾ وصل	44	داتا جو دان۔ سندھی	73	دم میں داتا	102	دیوان مجموعہ احرام
16	قول کا ضامن	45	مرد کی بات	74	فرض هي غرض آ	103	دیوان مجموعہ اکرام
17	لفظ کی ضمانت	46	دُعادھیان	75	راءِ روح	104	دیوان مخمور
18	اہم کی اہمیت	47	دُعاامین	76	درد کی بات	105	دیوان گفتار
19	علم جي ڳالهه	48	دُعاارکان	77	دُعاآن	106	دیوان سُرور
20	قول اقرار	49	دُعادرمان	78	دُعاشان	107	دیوان مجبور
21	کاروبار کا قرینہ	50	ست سنگیت	79	منهنجو خيال	108	دُھن آغاز
22	قانون کی بات	51	دُعاانسان	80	دُعادین	109	دُھن دیدار
23	معراج جو سج	52	دُعانگہبان	81	دُعادرکار	110	دُھن نماز
24	دور اندیشی	53	ڏوڪوءِ دوست	82	دُعادرست	111	دُھن یار
25	قلم مان قول	54	دم دم دُعا	83	دُعادُرود	112	دادرَسی
26	میرا دیوان	55	معراج کی دُعا	84	دیوان اسرار	113	سجود میں محبوب
27	تقوائی کے خطوط	56	دُعازبان	85	دیوان اقرار	114	سجود میں موجود
28	عشق کیا پیمانہ	57	درد کی دوائی	86	دیوان ایثار	115	سجدے میں طوبہ
29	ذهن نياز	58	دھرم کی دُعا	87	دیوان نثار	116	دید میں دُعا

نثر		تخلیق		نظم			
شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام	شمار	کتب کے نام
117	نمانو گداز	153	نظم جفادار				
118	نمانوانداز	154	نظم نظول				
119	نمانو شیراز	155	نظم معمول				
120	نمانو عرض	156	نظم سوال				
121	نمانو کی مرضی	157	نظم اقوال				
122	کلام مہمان	158	نظم ثواب				
123	دُعا درس	159	نظم جواب				
124	اہم احکام	160	نظم خواب				
125	سنڌي ڳالھ	161	ترک تمنّا				
126	پاڻ تي ئي ڏيان	162	سُر ترتیب				
127	یاد داتا	163	تمنّا کا توازن				
128	حاکم کے حکم	164	سُر ترغیب				
129	جاڳرتا جو جُگنو	165	اُتم توبہ				
130	جام کے کلام	166	سُر ثناء				
131	نظم افکار	167	بھرم کا بحر				
132	نظم شاہکار	168	دانا بن دینائی				
133	نظم آشکار	169	سُر سلیقہ				
134	نظم حُبکار	170	نظم مہکار				
135	نظم چمکار	171	قول سے قطب تک				
136	نظم انتظار	172	قول کی کُشائی				
137	نظم مہکار	173	قبل از عمل				
138	نظم دنیادار	174	قلیل ہی ہمارا قلزم				
139	نظم وفادار	175	عمل از قول				
140	نظم نفع دار	176	سبز سال				
141	طالب اور مطلوب	177	بات میں کمال				
142	سچ کا ثمر	178	بات میں جمال				
143	سب ساجھی	179	بات میں کلام				
144	جڳ کي جاڳاءِ	180	نمانو جو نشان				
145	نیاز نظر						
146	نمانو نماز						
147	نمانو ریاض						
148	نمانو ایاز						
149	نمانو نیاز						
150	نمانو فیاض						
151	نمانو بیاض						
152	نمانو آواز						

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُعائے مغفرت

مانگی تھی جو دُعا قبول ہوگئی، دوا مجھے لگ گئی
میری غلطی سے جو آفت آنی تھی وہ لوحِ قلم سے ہٹ گئی
میں نے جو مانگا تھا وہ مشکل تھا دنیا کی سوچ سے وہ سب راس ہو گئی
اٹک تھی، اٹل تھی مصیبت میری قسمت میں لوحِ قلم پر وہ اٹل سے ٹل گئی
ٹھگ لیا تھا دنیا نے اپنے گناہوں کے فریب میں وہ ہوا چلی گئی
مرشد مل گیا، ہدایت مل گئی، مشکل ساعت کٹ گئی، اندھیری ہٹ گئی
شاکر کی ہستی تھی نہیں، جو اگر تھی بھی وہ ہر لحاظ سے مٹ گئی
شکور کے شُکر کرانے کا بھی میں مشکور رہا، سداں سے میرا خلاف دشمن کی تدبیر مٹ گئی
سرشاداب سندھ رہے، پھر سب پاکستان ہو جائے جہاں سے جہنم ہونا تقدیر مٹ گئی
کچھ گزر رہی ہے، کچھ رحمت سے گزرے گی باگناہی کی عمر کٹ گئی
آج کی بات ہے اور کل کی اُمید مصیبت ہٹ گئی پیچھے آہٹ گئی
میں تو کچھ نہ تھا کبھی نمانو میرے مرشد کی میرے لیئے دُعا میری ڈٹ گئی
ہوا تھا یوں بے خبری میں جو گناہ میری پہلے سے کافی گھٹ گئی
دُعا دوا دونوں ایک دم مجھ سے عادت گندی چُھٹ گئی

———

آدم کی ہوا بدلی

محمد شاکر نمانا: آج کے دور میں میری (مصنف) یا کچھ دیکھنے والوں کی نظر میں یہ سوال جھلکتا ہے کہ مجھ سے ہی دوست کیوں بے وفائی کرتے ہیں؟ (Some thing wrong) یعنی کے شاید میں غلط ہوں، اس کا پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ مخلص دوست ملتے ہی نہیں، اگر کوئی بڑی دور بین لگا کے دیکھیں گے تو ایک، دو، تین، چار یا خود سمیت پانچ ہونگے، تو وہ تو ہو چکے، حضور پنجتن پاک اُس کے بعد تین کا ہندسہ چلتا آرہا ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خود سمیت تین، حضرت عمر فاروقؓ کے خود سمیت تین، حضرت امام علیؑ کے خود سمیت تین، حضرت امام حسینؑ کے خود سمیت تین، 72 تو ایسے ہیں جو پورا خاندان ساتھ تھا، تو یہ سچ کے ساتھی ظاہر میں نہیں ملتے خفیہ ہوتے ہیں جو اللہ پاک عطا فرمائیں ورنہ سچ ہی طاقت ہوتی ہے، سچ ہی دوست ہوتا ہے، اب سوال دنیاداری کا ہے کہ میرے ساتھ ہی مسئلہ (problem) کیوں ہے؟؟

اب دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جیسے دنیا بدل رہی ہے، ایسے ہی سامنے والا بندہ بھی بدل رہا ہے، سامنے والا بدل جاتا ہے، لیکن شاکر نمانا نہیں بدلتا، وہ اُس کے ساتھ وہی محبت، وہی اعتبار کرتا ہے، جبکہ وہ بندہ بدلا ہوتا ہے، شاکر نمانا یہ سمجھتا ہے کہ پچھلے بیس سال کی پُرانی دوستی ہے، تو یہ ویسا ہی ہوگا، اُس کی نظر میں یہ ہے، لیکن وہ بدل چکا ہوتا ہے، جب بدل چکا ہوتا ہے تو ایک چانس، دو چانس، تین چانس کے بعد نقصان اٹھاتے اٹھاتے آخر شاکر نمانا کو بھی منہ موڑنا پڑتا ہے، اگر ایسے تجربے میں شاکر نمانا نے دس لوگوں سے منہ موڑ لیا، تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک سو یا دو سو لوگوں نے شاکر نمانا کے ساتھ زیادتی کی ہے، اب اگر ظاہری بات گننے میں آئے گی تو یہ ہی آئے گی کہ شاکر نمانا بدمعاش ہے، بس یہ ہی کوتاہی ہے کہ اس باریکی کو نہ

میں سمجھا سکتا ہوں اور نا ہی کسی کو سمجھ آسکتی ہے، اگر میں سمجھانے کی کوشش کروں گا تو اپنا ہی وقت ضائع کروں گا اور جسے مجھے سمجھنے کی ضرورت ہے، وہ خود مجھے سمجھے، میرے احباب، میری بیوی، میرے بچے اور جو میرے دوست ساتھی ہیں، وہ اگر مجھے سمجھنا چاہیں تو خود سمجھیں، مجھے ضرورت نہیں ہے کہ میں سمجھاؤں، اس خیال کے تحت جسے اپنے دوست کو سمجھنا ہے وہ خود سمجھے، میرا کام نہیں ہے کہ میں سمجھاؤں، بس مجھے اپنا کام کرنا ہے،

ڈاکٹر خورشید: سائیں اس کی مثال تو میں خود اپنے اوپر بھی فٹ (Fit) کر رہا ہوں کہ جب میری صبح و شام شاکر نمانا کے ساتھ بات ہوتی ہے یا کچہری ہوتی ہے تو مجھے اپنے بچپن کے 20 سال، 40 سال پرانے دوست یاد آتے ہیں جو ہمارے علاقے کے بھی ہیں، تو یقین جانئے کہ ان کے ساتھ کبھی آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد بھی میں اپنے آپ کو پھیکا پھیکا محسوس کرتا ہوں اور دل ہی دل میں سوچتا ہوں کہ ان کے ساتھ بیٹھنا ہی بیکار ہے، جیسے میرا وقت ضائع ہو گیا، کیونکہ اُن کے پاس نہ کوئی عنوان ہے اور نہ کوئی سبجیکٹ ہے، بس صرف اور صرف بیکار کی باتیں کرتے ہیں، اب جس پر اللہ کی عطا ہو گی، وہ تھوڑی ایسی باتیں کرے گا، اب جیسے وہ ایک شخص آیا تھا آپ کے پاس تو ایسے آدمی آپ کے پاس زیادہ نہیں بیٹھ سکتے، کیونکہ یہ باتیں ان کے سر پر سے گزریں گی، انکی اپنی سوچ ہی بدل گئی ہے، اس لیئے نہ وہ اپنی سوچ کا ساتھ دیں گے اور نا ہی آپ کی سوچ کا ساتھ دیں گے۔

اسلام کے انصاف

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی زِرہ گر گئی اور وہ زِرہ ایک یہودی نے اُٹھالی، حضرت علیؑ نے یہودی سے کہا کہ یہ زِرہ (جنگی جیکٹ) میری ہے، مجھے واپس کرو، لیکن یہودی نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ زِرہ میری ہے، بعد میں حضرت علیؑ اور وہ یہودی قاضی کے پاس فیصلے کے لیئے گئے تو قاضی نے کیس سُننے کے بعد حضرت علیؑ کو کہا کہ آپ کا کیس تب تک نہیں سُنا جائے گا، جب تک آپ کوئی گواہ پیش نہیں کریں گے، حضرت علیؑ ثبوت کے طور پر حضرت حسینؑ جو جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں، اُن کو لے کر گئے تو قاضی نے کہا کہ یہ تو آپ کے بیٹے ہیں، انکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، لہٰذا آپ دوسرا گواہ پیش کریں اور اگر آپ کے پاس دوسرا کوئی گواہ نہیں ہے تو آپ کا کیس بھی نہیں سُنا جائے گا، یہ بات جب یہودی نے سُنی تو حیران ہو گیا اور کہا کہ اسلام میں اتنی بڑی سچائی ہے اور یہودی نے وہ زِرہ حضرت علیؑ کو واپس کر دی اور مسلمان بھی ہو گیا۔

افغانستان کے شہر جلال آباد میں ایک واقعہ پیش آیا جو میں آپ کو اس طرح سمجھانا چاہتا ہوں کہ چار قاتلوں کو سزا دینے کے لیئے قاضی کے پاس لایا گیا، قرآن پاک میں لکھا ہوا ہے کہ اگر قتل کے بدلے قصاص کی سزا دی جائے تو یہ امت مسلمہ کے لیئے حیات ہے، اس طرح جلال آباد میں قاضی کے پاس یہ کیس چل رہا تھا تو چھ مہینوں میں ایک بھی قتل نہیں ہوا، شہر میں سخت افراتفری تھی، مولوی صاحب نے قرآن پاک کی آیات پڑھیں، حکومت کی طرف سے ان قاتلوں کو ایمبولینس میں لایا گیا، اُن کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے،

مقتولہ کی وارث عورتیں نقاب میں تھیں اور وہ قاضی کے پاس ہی بیٹھی تھیں اور قاضی ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، قاضی نے مقتولہ کے وارث عورتوں سے کہا کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم ان قاتلوں کو آپ کے سامنے پیش کریں، اس مجمع میں 15 سے 20 ہزار لوگ بیٹھے تھے اور ان سب کی ہمدردی قاتلوں کے طرف تھی کہ ان کو سزا نہ آئے اور سب دُعا کر رہے تھے کہ اللہ پاک ان کو معاف کر دے۔ مقتولہ کی طرف سے ایک بڑے قد والا شخص اٹھا اور قاضی کو کہا کہ ہمارے دل بہت دُکھی ہیں اور ہم ان قاتلوں کو معاف نہیں کریں گے، اس کے بعد تین قاتلوں کے سَر تلوار نما ہتھیار سے کاٹ دیئے گئے اور لاشیں ایمبولینس میں ڈالی گئیں، جب چوتھے قاتل کا نمبر آیا، جس کی عمر 18 سے 20 سال تھی، تو مقتولہ کی عورتوں میں سے ایک عورت اٹھی اور کہا کہ میں نے اُس کو معاف کر دیا اور پورے ہجوم میں خوشی پھیل گئی اور وہ چوتھا قاتل بچ گیا۔

تصوّف کی تصدیق یہ ہے کہ انسان، بدلنے والے زمانے کے لیئے تیار رہے
توکّل، طہارت، تقویٰ، توبہ کے ذریعے تقاضوں کے بدلنے کے لیئے تیار رہے

ایک ایک گھڑی سے خبردار رہ، ورنہ خود کو بھی یاد نہ کر
شریعت بن گزارہ نہیں، طریقت کو حاصل کر، ورنہ سجدے سے نہ اُٹھا کر

جس عبد کی ساکھ نہیں، بن شاخ کے درخت ہے
نہ اِس ساکھ کی خاک، نہ اُس دنیا کی راکھ ہے

خدمت میں علم پنہاں ہے!

ڈاکٹر خورشید: ایک بچہ تھا جو کہ کُند ذہن تھا، پھر اس نے اپنے ستاد کی خدمت کرنا شروع کر دی، پھر ایک بار وہ اپنے استاد کے پاس سبق سُنانے کے لیئے آیا اور اُس نے جب سبق سُنانا شروع کیا تو اسکے استاد نے بولا کہ آج تم وہ کند ذہن بچہ نہیں ہو پھر قدرتی مختلف علوم کے آبشار اور تفسیر اُس کے دماغ میں سے نکلنا شروع ہوئے، جس کو کچھ نہیں آتا تھا، جس کو اپنا سبق بھی یاد نہیں ہوتا تھا، اللہ نے اس کو اتنا علم عطا کیا جو اس کا تعارف امام التفسیر میں ہونے لگا، کیونکہ اس نے خدمت بہت کی تھی۔

ڈاکٹر خورشید: (دوسرا واقع) ایک والد اپنے بچے کو شیخ الحدیث کی خدمت کے لیئے اُن کے پاس چھوڑ کر گئے، اُس کے والد کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بچے کو علم سکھایا جائے، کیونکہ پہلے دیہاتوں میں لوگ اپنے بچوں کو بڑے، بڑے بزرگوں اور فقیروں کے پاس چھوڑ کر جاتے تھے، تاکہ وہ اُن کی خدمت کر سکیں، شیخ الحدیث نے یہ سمجھا کہ وہ اپنا بچہ ہماری خدمت کے لیئے چھوڑ کر گئے ہیں، تو انہوں نے اُس بچے کو بھینسوں کے کام میں لگا دیا اور کہا کہ ان بھینسوں کے لیئے روز گھاس کاٹ کر لے آیا کرو، مطلب کہ استاد نے ایک دن بھی بچے کو سبق نہ پڑھایا اور نہ ہی بچے نے کبھی پڑھا، کچھ سال بعد جب اُس کے والد صاحب آئے تو انہوں نے شیخ الحدیث صاحب سے پوچھا کہ میرے بیٹے نے کتنا علم حاصل کیا ہے؟ (یہ ایک سچا واقعہ ہے جو مدرسوں میں بھی سُنایا جاتا ہے) تو اُستاد نے اُس بچے کو کہا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ، بچہ وضو کر کے آیا اور جب استاد نے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لیئے کہا تو وہ بچہ

بہت اچھی طرح سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا، صِحاحِ ستّہ سمیت جتنے بھی علوم تھے وہ سب اُس کو آ گئے اور وہ قرآن پاک پڑھتا ہی جارہا تھا، جس کو قرآن پاک کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا، کیونکہ اُس نے خدمت کی تھی یہ ایک سچا واقعہ ہے جو اکثر مدرسوں میں بھی سُنایا جاتا ہے۔

محمد شاکر نمانا: یہ کچہری جو آپ کی اور ہماری چل رہی ہے، اس میں اِیسے واقعات کا موضوع ہو گا کہ کیسے ایک جاہل، اَن پڑھ کو خدمت کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی میں اپنی ذاتی گزارش کرتا ہوں کہ مجھے جو بھی حدیث، قرآن، کچھ علوم یا کچھ اقوال یاد ہیں اور میں آج کسی قابل ہوں تو میں نے کبھی بھی کہیں نہیں پڑھا، بس میں نے خدمت کی ہے، اپنے مرشد کی، اپنے والد صاحب کی، اپنے چاچوں کی، اپنی چاچیوں کی خدمت کرتا رہتا ہوں، مجھے اس بات کی خبر نہیں تھی، اس بات کی تو آپ نے توثیق کی ہے۔

ڈاکٹر خورشید: سائیں یہ جو علم عطا ہوتا ہے یہ اللہ پاک اپنے علم میں سے علم عطا کرتے ہیں، حلم میں سے حلم عطا کرتے ہیں، جو کتابوں میں سے کبھی حاصل نہیں ہو گا اور نا ہی کبھی استادوں سے سُنا ہو گا، یہ اس بات کی وضاحت ہے اور سب اس کی تصدیق کریں گے کہ ایسا علم، ایسے جواہر کہاں سے آتے ہیں؟ روحانی علم بازار یا اسکول میں نہیں پڑھایا جاتا اور نا ہی کسی یونیورسٹی یا کسی بورڈ سے اس کی ڈگری ملتی ہے، بلکہ روحانی علم فقیر اور عالم سے ملتا ہے اور صرف خدمت کے عوض ہی مل سکتا ہے۔

حکمت سازی

ایک شریف النفس بادشاہ اپنی مینجمنٹ کیسے رکھے؟ نہ ظلم کرے نہ جرم کرے، نہ کسی سے لے اور نہ کسی سے کوئی شکایت کرے، لیکن اُس کے آس پاس جتنے بھی لوگ ہیں، وہ بدمعاش ہیں اور یہ شریف ہے، اس پر کیا لاگو ہوگا؟ اب یہ وہی سمجھے، کیونکہ اللہ پاک نے اُسے بادشاہ بنایا ہے، پھر اگر وہ کہے کہ بھائی میں شرافت بھی نہ چھوڑوں اور بدمعاشی بھی دکھاؤں تو کم از کم اسے شرافت کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے، دنیا کے اکثر حکمرانوں کا حال ایسا ہی ہے، اس وجہ سے یہ ساری نابرابری اور ناانصافی پھیلی ہوئی ہے، افغانستان اور ایران سمیت اکثر مسلم ممالک میں مذہبی انتہاپسندی کا زور ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان صرف ہم ہیں اور کوئی نہیں ہے، جیسے سعودی عرب یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہی مسلمان ہیں، ہمارے سوا کوئی مسلمان نہیں اور ایسے بہت سے ملک ہیں جو اپنے آپ کو ہی مسلمان سمجھتے ہیں اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مذہب کو صرف اپنے مفادات کے لیئے استعمال کرتے ہیں عملی طور پر مسلمان نہیں، کردار کے معاملہ میں وہ بھی عام حکمرانوں جیسے ہی بر کردار اور ڈرپوک ہیں، عوام کی خدمت سے زیادہ عیش و عشرت کو پسند کرتے ہیں۔

اب میں اپنی مثال دوں گا کہ میں ایسا کیوں ہوں؟ اس کے لیئے ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ کسی جگہ پر زہریلا کھانا کھانے سے کئی لوگ مر گئے تو بادشاہ نے اُن کو اپنے فوجیوں کی وردیاں پہنا کر تلوار سے اُن کی گردنیں الگ الگ کر کے پیٹ میں چُھرے لگا کے انھیں دریا میں پھینک دِیا، تاکہ دریا کے آگے جتنے بھی ملک آباد تھے،

وہ اِن لاشوں کو دیکھ کر نکالیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو اُس ملک کے فوجیوں کی لاشیں ہیں، انھیں کیوں قتل کیا گیا؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے جو بادشاہ نے اپنے ہی سپاہی فوجیوں کو قتل کروادیا ہے، بادشاہ نے وجہ جاننے سے پہلے ہی اپنے جاسوسوں کو یہ کہہ کر مختلف علاقوں میں بھیج دیا تھا کہ جاؤ وہاں افواہ پھیلاؤ کہ بادشاہ کے ہدف کو قبول نہیں کیا تو بادشاہ نے اپنے 100 سپاہیوں کو قتل کروا دیا، تو وہاں کوئی پہاڑی سے گر کے مر جاتا تھا، کوئی روڈ حادثے میں مر جاتا تھا یا کوئی کسی بیماری میں مر جاتا تھا تو بادشاہ اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے ان مرے ہوئے لوگوں کی لاشوں کی بے حرمتی کر کے اپنے فوجیوں کی وردی پہنا کر اُن کی گردنیں الگ الگ کر کے دریا میں پھینک دیتا تھا، تاکہ دوسرے ممالک کے لوگ یہ سمجھیں کہ بادشاہ نے خود قتل کئے ہیں، جبکہ دوسرے ملک کے لوگ اس بات سے پریشان تھے کہ بادشاہ تو اتنا شریف النفس انسان ہے، یہ حرکت کیوں کرتا ہے؟ لیکن بادشاہ سوچتا تھا کہ یہ تو مر گیا ہے، اسے یہاں بھی مٹی کھائے گی اور وہاں بھی مٹی ہی کھائے گی تو کیوں نا زندہ لوگوں کی حفاظت کے لئے میں انھیں دشمن کے آگے ڈال دوں، اسکا مطلب یہ ہوا کہ شریف النفس انسان بھی بادشاہ بن سکتا ہے، یہ سوال لوگ مجھ سے بھی کرتے ہیں کہ میں بھی خون ریزی کروں، میں بھی لال آنکھیں کروں، میں بھی بڑی بڑی مونچھیں رکھوں، میں بھی گارڈوں کے ساتھ نکلوں، لڑائی جھگڑے کروں، غلط منصوبے بناؤں، لیکن میں ایسا کبھی نہیں کروں گا، جیسے اللہ پاک نے اُس بادشاہ کو یہ حکمت عطا فرمائی، اس طرح وہ مجھے بھی ایسی ہی حکمتیں عطا فرمائے گا۔

ہم بھی اپنے علاقے کے بادشاہ ہیں، لیکن ہم اُس بادشاہ کے طرح نہیں ہیں، جیسے بادشاہ کو یہ حکمت دی گئی، اگر ہمارے اُوپر ایسے معاملات آئے تو ہم سہہ لیں گے، سہنا بھی ایک بڑی طاقت ہے، خدانخواستہ ہمارا کوئی مر جائے تو ہم سہہ لیں، یہ بھی بڑی طاقت ہے، پیسے کا نقصان برداشت کرنا، یہ بھی ایک بڑی طاقت ہے، ہم کسی کے پاس کام کے لیئے نہیں جاتے تو یہ طاقت اُن سے جاکر پوچھیں کہ سائیں اِن کی کتنی طاقت ہے تو اُدھر کا ایم این اے، ایم پی اے، منسٹر، ڈی سی، کمشنر یہ ضرور کہے گا کہ سائیں ان کی پیمائش ہمارے پاس نہیں ہے، انچ نہیں سائیں فٹوں کی بات کرو، یہ بات آئی جی نے پیر محمد شاہ سے پوچھی کہ اِن کے پیچھے کون ہے؟ تو پیر محمد شاہ نے کہا کہ سر مجھے تو معلوم نہیں کہ اِن کے پیچھے کون ہے؟ مطلب کے پیمائشی نہیں ہیں، اُس کے پیچھے للّوُ، پنجو، سب ہیں، پیمائش کی پیمائش نہ ہونا مطلب سیلاب آرہا ہے اور جس نے پیمائش کرلی وہ بچ جائے گا اور اگر جس نے پیمائش نہ کی تو اُسکے بچنے کے چانس بھی کم ہونگے، اگر بھاگے گا تو بھی سیلاب اُسے ڈبو دے گا، مطلب کہ پیمائش کے اندر ہی معاملات حل کرنا بہتر ہے، جس نے پیمائش کی، وہ بچ جائے گا اور جس نے پیمائش نہیں کی، وہ ڈوب جائے گا۔

سائیں حضرت شفیع محمد نے ایک کلام لکھا ہے:

جہیڑا کُل قادر تقدیر اں تے اوہور کرامت کی جانے

تشریح:۔ اگر مرشد اپنے طالب کو اللہ کا ذکر اسم اعظم دے دے تو طالب جتنا اللہ کا نام لے گا، اتنی ہی اُسے روشنی ملے گی اور اُس ہی سے مقدر بدلیں گے، یعنی نیکی کا صلہ نیکی سے ملے گا، گناہ کے بدلے سزا ملے گی، جب گناہ و ثواب کا پتہ چلے گا تو آدمی گناہ نہیں کرے گا اور اللہ روشنی بڑھاتا جائے گا اور انسان بڑھتا ہی جائے گا۔

تنقیدی نوٹ

اگر شاکر نمانا اپنے کاروبار پر دھیان دے تو زیادہ لوگوں کو روزگار اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سہولت دے سکتا ہے، جبکہ یہ فنون لطیفہ شاکر کے بس کی بات نہیں اور گیت غزل بھی اس کے بس کی بات نہیں، کیونکہ یہ صلاحیت سیکھنے سے نہیں آتی، یہ لکھنا لکھانا پیدائشی ہوتا ہے، اس لیئے آپ اپنے کاروبار پر دھیان دیں اور اپنی عزت بڑھائیں، ایسا نہ ہو کہ آپ نہ دین کے رہو، نہ ہی اِس دنیا میں پوری طرح کامیاب ہو سکو، جیسے آدھا تیتر، آدھا بٹیر، مطلب کہ جو جس کا کام ہے، وہ وہی کام کرے تو اچھا لگتا ہے، یہ ادب لکھنا بڑا محنت اور جوکھم کا کام ہے، اسکو چھوڑو اور اپنے مشن پر کام کرو اور کامیاب ہو جاؤ، ہماری دُعا آپ کے ساتھ ہے، بس جو مجھے سمجھ میں آیا، وہ میں نے لکھ کر آپ کو بھیج دیا، کیونکہ آپ کے اندر صلاحیت کچھ اور ہے اور کام آپ کچھ اور کر رہے ہو، یہ انداز مجھے پسند نہ آیا تو میں نے یہ تنقیدی نوٹ لکھ دیا، اب آپ کو بُرا لگے یا اچھا، یہ آپ پر منحصر ہے، جیسے چاہیں سمجھیں۔

اسکالر: ڈاکٹر خورشید

پاکستان کا سپوت، سندھ کا پوت

1۔فنون لطیفہ: جب سے دنیا میں لوگوں نے لکھنا شروع کیا ہے، ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی نے تاریخ لکھی ہے تو اس میں وقت کے بادشاہ کی تعریف، شجاعت، عقل مندی یا ظلم لکھا ہے، جیسے ہلاکو خان، چنگیز خان، سکندر اعظم وغیرہ وغیرہ بیان کی گئی ہے یا مغل بادشاہوں کی دانائی و حکمت کے بارے میں لکھا اور کافی لوگوں نے سپہ سالاروں کی بہادری کے قصّے لکھے ہیں اس طرح کافی شاعروں نے خاص بادشاہ یا اُمرا کے لیئے خاص شاعری لکھی ہے، ایک سال میں کئی مرتبہ کُشتی اور کبڈی کے میچ کروائے جاتے ہیں، جس سے ثقافت کے رنگ نظر آتے ہیں، محفل موسیقی میں لوک فنکار اپنا فن دکھاتے ہیں۔

2۔ موسیقی: شاکر نے اپنی غزلوں میں، گیتوں میں جو کچھ بھی لکھا ہے، اُس پر قائم رہے ہیں اور خود گایا بھی ہے۔

شاکر نمانا نے جو لکھا ہے، وہ کر کے بھی دکھایا ہے اور جو کرنا چاہا ہے، وہ بھی کر دیا ہے، اگر ایک آدمی شاعر ہے تو وہ صرف شاعری لکھتا ہے، لیکن شاکر نمانا نے شاعری بھی کی ہے، اُس کی کمپوزنگ بھی کی ہے اور موسیقی کی ترتیب بھی دی ہے، جبکہ کلاسیکل راگ لکھے بھی ہیں اور کلاسیکل انداز میں گایا بھی ہے اور خود کا لکھا بھی گایا ہے۔

3۔ تاریخ لکھنا: یہ بہت کم ہوتا ہے کہ اگر کسی تاریخ دان نے کسی اور کی تاریخ لکھی ہے، یعنی کسی بادشاہ کی، کسی سپہ سالار کی وغیرہ وغیرہ کی تو اس کے ساتھ اپنی سوانح بھی لکھی ہو، لیکن شاکر نمانا نے خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ کر کے بھی دکھایا ہے، شجاعت پہ لکھتا ہے تو شجاعت کر کے بھی دکھائی ہے، حکمت بنانا کیا ہوتی ہے اور حکمت بنا کر اس پر عمل کر کے ثابت کرنا کہ حکمت عملی کیا ہوتی ہے؟ جابر کے آگے سر اٹھا کر چلنا اور سچ پہ کھڑا رہنا کیا ہوتا ہے؟ ظالم کے آگے کھڑا ہو کر بھی دکھایا اور ظلم کے خلاف لکھ کر بھی دکھایا، سینکڑوں ایف آئی آر، سینکڑوں کیس، سینکڑوں انکوائریاں، نیب، ایف آئی اے اور دنیا بھر کی جو بھی انکوائریاں ہیں ان کا سامنا کرنا، سرکار کی مخالفت کرنا، جبر سہنا اور برداشت کرنا یہ سب لکھا بھی ہے اور اس پر کھڑے بھی ہیں، صحافی حضرات تو ہمیشہ دوسروں کی خبر بناتے ہیں، لیکن شاکر نمانا ہمیشہ خود ہی خبر بنے رہے، اخباروں کی، ٹی، وی چینل کی، سوشل میڈیا کی، لیکن حق پر کھڑے رہے۔

4۔ فلاحی کام: اکثر سماجی کارکن پریس کانفرنس کرتے ہیں، جلسہ نکالتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں کہ قبرستان چاہیئے اور قبرستان لیکر بھی دیتے ہیں، لیکن شاکر نمانا نے تو خود اپنی زمین پر 5 عدد قبرستان بنائے ہیں، ایک جامعہ مسجد اور 3 عدد بڑی مسجدیں بنائی ہیں، تفریح کے لیے پارک بنائے ہیں، یہ کوئی کسی سے لکھ کر لینے کی بات نہیں ہے، یہ سرکار سے حاصل کرنے کی بات نہیں ہے، یہ سب خود ہی کیا ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ کوئی سندھ کے حقوق

کے لیئے، کوئی پاکستان کے حقوق کے لیئے، کوئی لوگوں کی رہائش کے لیئے، کوئی روزگار کے لیئے سرکار کے خلاف احتجاج کرتا ہے، لیکن شاکر نمانا نے تو خود اپنے پاس ہزاروں نوکریاں دی ہیں اور خود گھر بناکر دیئے ہیں، خود ہی مفت علاج کی سہولتیں بھی دی ہیں، جبکہ یہ جتنے بھی سیاستدان ہیں، وہ صرف سرکار سے مطالبہ کرتے ہیں اور مہم چلاتے ہیں اور سرکار کے اربوں روپے بجٹ کھا بھی جاتے ہیں، لیکن اپنی جیب سے کچھ نہیں لگاتے ہیں۔

5۔ **سہولت:** شاکر نمانا نے ساری ترقی خود اپنی جیب سے کی ہے اور پورے پاکستان سے نہیں بلکہ بیرونِ ملک سے بھی لوگوں نے سرمایاکاری کی ہے، سکھر اور دیگر شہروں کو فائدہ بھی پہنچایاہے، سکھر اور سندھ کی اکنامی سائکلنگ (Cycling) جسے کہتے ہیں وہ اتنی زیادہ کی ہے کہ ابھی سکھر اور سندھ خوشحال ہے، یہ روزگار کے لیئے فلور ملز، رائس ملز، دکانیں، کھانے کے ہوٹل، گیسٹ ہاؤس، ریسٹورنٹ، مسافر خانہ، ہاسپیٹل، روڈ، مشینری، تفریح گاہیں، پارک، سوئمنگ پول، ہر قسم کے چڑیاگھر وغیرہ وغیرہ جوکہ سرکار دیتی ہے، اُس کے لیئے کوئی ایم این اے بنتا ہے، کوئی ایم پی اے بنتا ہے، اس کے بعد پھر وہ گورنمنٹ سے پاس کرواتے ہیں اور پانچ سال وہ گورنمنٹ کا کھاتے ہیں اور گورنمنٹ اُن کے ذریعے کھاتی ہے، لیکن شاکر نمانا نے اس طرح کوئی نہیں کی جو لکھا، وہ کر کے بھی دکھایا، تاریخ لکھی ہے اور ادب میں کئی کتابیں بھی لکھی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی پہچان کروانے کے لیئے بھی کتابیں لکھی ہیں اور درجنوں تجربے لکھے ہیں۔

6۔ **فنانس مینجمنٹ:** کاروبار اور پیسے کے خرچ کرنے کے طریقے پر فنانس مینجمنٹ لکھی ہیں، اور کچھ کتابیں قانونی پیچیدگیاں سمجھنے کے لیئے بھی لکھی ہیں، تاکہ ہر سادہ پاکستانی آسان اردو میں قانون کو سمجھے اور عام آدمی ہر بڑے وکیل کو اچھی طرح اپنے کیس کو سمجھا سکے اور جو مدعی چاہ رہا ہے، وہ قانون کے مطابق اُسے ملے، یہ سب سادگی سے لکھا ہے، سوائے اس کے اپنی ذاتی حکمت بھی لکھی ہے، اُس پر عمل بھی کیا ہے اور وکیلوں کو حیران بھی کیا ہے، اس طرح شاکر نمانا کامیاب بھی ہوا ہے، کافی کیس PLD میں بھی چھپے ہیں۔

7۔ ادب: ادب میں دس ہزار کلام، کئی ہزار اشعار، سینکڑوں اقوال لکھے ہیں اور جو علم اپنے تجربے اور اپنے رہبر مرشد ہادی حضرت بابا نمانو سائیں سے سینہ بہ سینہ حاصل کیا ہے، اُس کو پوری ایمانداری سے مخلوق کے لیئے کتابوں کی صورت میں، کلاموں کی صورت میں، شاعری کے ذریعے، فیس بُک کے ذریعے اور مختلف ذرائع سے عوام تک فراخ دلی سے پہنچایا ہے۔

8۔ سیاست سے دور: سیاست سے دور رہ کر بھی مختلف ذرائع سے عوام کے حقوق دینے کی کوشش کی ہے، جیسے کہ سیاستدان اور سماجی تنظیمیں تعلیم کے لیئے جدوجہد کرتی ہیں اور کافی سالوں کے بعد گورنمنٹ کوئی ایک پرائمری اسکول گاؤں یا شہر میں دیتی ہے، شاکر نمانا نے 5 عدد اسکول خود قائم کیئے اور بچوں کی کتابیں اور دیگر سہولتیں بھی دیں ہیں سیاسی، سماجی تنظیمیں قبرستان کی جگہ لینے یا قبرستان بڑھانے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن شاکر نمانا نے ایسے 5 عدد قبرستانوں میں زمین بڑھائی ہے اور ایک قبرستان کے لیئے زمین دی ہے اور لوگوں کے لیئے ایک بجلی گھر میں 6 ایکڑ زمین شاکر نمانا نے دی ہے، اس کے سِوا پاکستان کی یونیورسٹیوں، لائبریریوں اور کالجوں میں ہدیہ کے طور پر کتابیں بھیجی ہیں، جن کے مطالعے سے طالب العلم مستفید ہو رہے ہیں۔

مثبت بات

9۔ شجر کاری: ماحول کو فائدہ مند بنانے کے لیئے شجر کاری کی جاتی ہے اور اس میدان میں بھی شاکر نمانے کا حصّہ ہے، جیسے ایئرپورٹ روڈ اور بائے پاس سکھر پر 3 کلومیٹر کے فاصلے تک درخت لگائے ہیں اور اپنی سب اسکیموں پر درخت لگانے کے ساتھ اپنی بڑی بڑی نرسریاں بھی بنائی ہیں، جس سے لوگوں کے اندر شجر کاری کا شوق پیدا ہوا ہے، ان سے سکھر کے موسم پر بھی اثر ہوا ہے اور لوگوں میں بھی شعور آیا ہے اور لوگوں نے اب اپنے

گھروں میں درخت، پھول اور پودے لگائے ہیں، اس کے سِوا سکھر شہر میں صاف پانی نہ ہونے کی وجہ سے شاکر نماناا پنے خود کے ٹینکر کے ذریعے شہر کو روزانہ 60 ہزار لیٹر پانی مہیا کرتا ہے، یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے، 6 عدد چھوٹی بڑی ایمبولینس مریضوں کی سہولت کے لیے کھڑی ہیں اور G.M.C کالج اور NICVD ہسپتال کے لیئے 55 ایکڑ زمین بھی عطیہ کے طور پر دی ہے، NICVD سکھر کے چاروں طرف جو رہائش ہیں وہ بھی اسی شخص نے عطیہ کے طور پر دیئے ہیں اور ایک بہت بڑا مسافر خانہ بھی بنایا ہے جو سکھر شہر میں آنے والے مریضوں کے لیئے سہولت اور سستی روٹی کا بھی ذریعہ ہے، دریائے سندھ کا بچل شاہ بند تقریباً ٹوٹ چکا تھا، وہ بھی R.R گروپ نے اپنی مدد آپ کے تحت بچایا، بلکہ سرکار کی طرح بھاگ دوڑ کر کے، خود کا خرچ کر کے بند بنوانا شروع کر دیا، جبکہ 2010ع میں سرکار کے پاس بجٹ بھی نہیں تھا، اُس کے بعد جب بجٹ آیا تو ٹھیکیدار کو بل ملا ورنہ شاکر نمانا ضامن تھا ٹھیکیدار کا، جس نے شاکر نمانے کی ضمانت پر بند بنایا جو 18 کروڑ کی لاگت سے تیار ہوا، سندھ حکومت ٹھیکیدار کو 18 کروڑ نہ دیتی تو شاکر نمانا نے اسٹامپ پیپر لکھ کر دیا تھا ان اخراجات کے لیئے اور جو بھی ٹھیکیداروں کے معاملات تھے، جیسے ڈاکوؤں یا بھتہ خوروں سے بچانا، وہ بھی شاکر نمانا نے کی ذمہ داری تھی، جو کہ اللہ تعالیٰ نے عزّت رکھی اور بند کا کام بھی مکمل ہو گیا۔

10۔ صحت کی سہولت: علاج حجامہ کے سلسلے میں روزانہ درجنوں مریضوں کا مفت حجامہ کیا جاتا ہے اور سینکڑوں مریضوں کو علاج، دوائی اور رہائش بالکل مفت دی جاتی ہے، اس کے علاوہ فری ڈسپینسری موبائل میں ڈاکٹر اور نرس اسٹاف گاؤں گاؤں جاکر مریضوں کو مفت علاج اور مفت دوائی دے کر آتے ہیں تاکہ وبائی مرض نہ پھیلے، اس کے لیے غریب مریضوں کی جانکاری کے لیئے آگاہی پروگرام بھی چلاتے ہیں، میں ایک پڑھی لکھی ماں ہوں، اس لیے میں نے کچھ خامیاں چھپائی ہیں، کیونکہ ماں کا کام عیب جوئی نہیں ہوتا اور

دوسرا جو انسان کام کرے گا، غلطی بھی وہ ہی کرے گا، جو کام ہی نہیں کرتا، اُس سے غلطی کیا ہوگی؟ بس اُس کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ کام نہیں کر سکتا۔

11۔ پاکستان کلب ہوٹل کی سہولت: جو ہوٹل 2 سیمینار ہال اور 51 کمروں پر مشتمل ہے، جس میں سولر سسٹم، ہیلتھ کلب، سوئمنگ پول، بڑا گارڈن اور ہر قسم کے پھول، موجود ہیں اور یہ ہوٹل واکنگ ٹریک کے ساتھ ساتھ، 24 گھنٹے بجلی اور فول پروف سیکیورٹی جیسی سہولیات کے ساتھ سکھر شہر کے مین روڈ کی پرائم لوکیشن پر واقع ہے۔

12۔ صحت کی سہولت: پہلی بار سکھر میں جدید اور اعلیٰ قسم کی فٹنیس اور ایکسرسائز مشینوں اور صاف ماحول پر مشتمل فل ایئر کنڈیشن ہیلتھ کلب سکھر کے لوگوں کے لیئے موجود ہے، جو باہر کے اور پاکستان کلب کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔

13۔ سوئمنگ پول کی سہولت: سکھر کا بہترین سوئمنگ پول بھی آر۔ آر گروپ کی طرف سے حاضر ہے۔

14۔ چڑیاگھر: سکھر میں پہلا چڑیاگھر بھی آر۔ آر گروپ کی طرف سے سجایا گیا ہے۔

15۔ شہر کو تحفظ کی سہولت: دریا کے بند کی طرف چوروں اور ڈاکوؤں کا راستہ روکنے کے لیئے 3800 میٹر لمبی دیوار بنائی گئی ہے۔

میری ہمیشہ کی طرح دُعا ہے اور ہمیشہ رہے گی، اللہ آپ کو بخشش کے ذرائع عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ایک ماں کی دل سے دُعا

امظل بیگم

دُعا گداز

عاجزی و انکساری سے اپنا ایک ایک عُضو سجدے میں جُھکائے اقرار کرتا ہوں
عرضدار، عاجز، عاجزی سے، اجازت کے لیے عرض کرتا ہوں
امر ہو تو یہ ادنیٰ بیان کرلے، اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں
آواز درد کی ہے، طلب مرشد مرد کی کرتا ہوں
اللہ احسان کر مجھ پر، رحمت بے شمار کر، اپنی عقل سے عاری ہوکر کہتا ہوں
اللہ احسان کر مجھ پر، تجھ پر میرا ایمان کر، پھر اخلاق سے اقرار کرتا ہوں
آدم ہوں، خادم ہوں، آئندہ کے لیئے گناہوں سے انکار کرتا ہوں
آسرا تجھ پر، محنت مجھ پر ہے، رحمت تیری کے انبار کردے، پہلے ہی شکر کرتا ہوں
معافی صدقے محمدؐ کے، جو کلام سے کمائے افکار پیش کرتا ہوں
آرام نہیں، سکون نہیں، معافی دے، معاف کر، اشکبار ہوکر کہتا ہوں
سر جھکائے، سر نوائے، پھر بھی یہی پُکار کرتا ہوں
سارے گناہ معاف کر، اس اُمید میں سب کچھ چھوڑ کر، سیدھا راستہ اختیار کرتا ہوں
یہ بات عام نہیں اور کوئی کام نہیں، نام محمدؐ کے معافی ملے گی، ضرور میں انتظار کرتا ہوں
عالم نہیں، علم نہیں، عقل نہیں، اعمال نہیں، صاف اقرار کرتا ہوں
ہر جرم سے توبہ، بن گیا بھرم میرا، توبہ برے اعمال سے کرتا ہوں
گنہگار ہوں لیکن وفادار ہوں، تیرا بندا ہوں میں، یہ اعتراف کرتا ہوں
میری جھولی ہے گناہوں سے بھری، کھلا اظہار کرتا ہوں
یا اللہ میں شاکرؔ عاجز، ایک خاکسار بندہ ہوں

آدھی صدی سے آہستہ آہستہ، تیرے سفر میں ہوں، منزل تلاش کرتا ہوں
یہ بڑی دور کا سفر، میں روح سے کرتا آیا ہوں
سر کے بل چلتے اور بال کے رونگٹے سے کھڑے ہو کر یہ التجا لے کر آیا ہوں

گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے، دونوں ہاتھوں کو دُعا کی طرح پھلائے مانگتا ہوں
محمد مصطفیٰ، علی المرتضیٰؓ کا، حسنؓ اور حسینؓ کا واسطہ دیتا ہوں
اپنے سر پر سفارش کی، پھولوں والی چادر اٹھائے، عاجزی سے عرض کرتا ہوں
ٹوکری میں بھرے پھول ہیں، جس میں لال شہبازؒ کا پھول، جس میں سچل سائیںؒ کا پھول بنتا ہوں
جس میں شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ کا پھول، جس میں داتا ہجویریؒ کے پھول کی خوشبو بنتا ہوں
جس میں نارے شاہ کا پھول، جس میں واصف علی واصف کے پھول کی خوشبو بنتا ہوں
جس میں راضی سائیں کا پھول اور میرے مرشد کے اپنے روح کی خوشبو بنتا ہوں
بڑی بڑی قربانیاں دے کر، آپ کے دربار میں یہ گلدستہ لے کر آیا ہوں
50 سال میں جو بھی اعمال کیئے، اپنے کمزور کندھوں پر لادکر آیا ہوں
انکساری اور عاجزی لے کر، آپ کے دربار میں عاجز ہو کر، شرمسار ہو کر آیا ہوں
آنسوؤں کے ساتھ تیرے سامنے سجدہ ریز ہوکر معافی مانگتا ہوں
مجھ سے آج تک آدھی صدی میں جو بدی ہوئی، میں بدکار سب قبول کرتا ہوں
مجھ سے بدکلامی کی وجہ سے جو بھی غلطی ہوئی، اس کی معافی چاہتا ہوں
میں بخیل، بے دل، بدحال، بدنصیب، بے بس بن چکا ہوں
اپنی بارگاہ سے بے دخل نہ کر، میں دل سے کرم چاہتا ہوں
صرف معافی ہی ہے میری بڑی سے بڑی خواہش، معافی چاہتا ہوں

یااللہ اس بے حد گناہ گار کو اپنی بے حد رحمت سے معاف کردے، یہ رحم چاہتا ہوں
یا اللہ اب میں دولت نہیں مانگتا، صرف سچ پر چلنا چاہتا ہوں
روحانی جیت مانگتا ہوں، اب میں دنیا سے جیتنا نہیں، ہارنا چاہتا ہوں

بیوی نامہ

چوبیس سال میں کئی ختم ہوئے، اعضاء بیویاں تو آدمی کو کھا جائیں
دل دکھائیں دماغ کھائیں پھر بھی روز کرتی ہیں شکایتیں

دوست میں خلوص آ جائے، تو دنیا دوست ہو جائے
اگر دل میں دماغ سما جائے، آدمی دوا اور دُعا سے درست ہو جائے
خلاف سب دنیا والے ہو جائیں، پھر بھی دوست کام آ جائے
دھیان، کان، آنکھ پر تیرا عبور ہو جائے، تُو خود کا دوست ہو جائے

مصنف ضامن ہے

اپنے ہی حق کی چوری بھی ہوتی ہے، عدل کا بھی ڈاکا ہوتا ہے
شاکرؔ فراڈ انصاف لینے میں بھی کر شُکر، زور کے بغیر کون عدل کرتا ہے
بے خوف ہونے سے حق ملتا ہے، عادل عدل نہ دے، پھر عدل پر ڈاکا ہوتا ہے

مرض کی حکمت کی سمجھ

میرے پاس ایک بندہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ فاسٹنگ (Fasting) میں میری شوگر 175 ہے اور ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ تجھے شوگر ہے، میں نے اُس کو کہا کہ تجھے شوگر نہیں ہے اور یہ صحت کی وجہ بھی آج بتا دیتا ہوں کہ جو انسان ذہن سے کام کرے وہ کھانا بھی پیٹ بھر کر کھائے، ایسے نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تمہارا ذہن دو جگہ کام کرتا ہے، اب تم سوچ لو یا کھانا بچا لو، یا اگر کھانا بھی کھاؤ گے اور سوچو گے بھی تو تمہارے جتنے بھی اندر کے اعضاء (Organs) ہیں، ان کو پوری سپلائی (Supply) نہیں پہنچے گی، کیونکہ خوراک ہضم دماغ کرتا ہے، نا کہ آپ کا معدہ اور دماغ ہی ساری صفائی کرواتا ہے، نا کہ گردے خود صاف ہوتے ہیں، اب فرق کیا ہے کہ ہم کھانا بھی پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور جو بھی تخلیقی کام ہے یا گھر کی پریشانی ہے، اس کو بھی ساتھ لے کر پھرتے ہیں، اب کھانا بھی پیٹ بھر کر کھا لیا اور دماغ بھی پریشانی میں اُلجھ گیا تو اب دماغ نے لبلبے کو آرڈر ہی نہیں دیا کہ شوگر کو باہر نکال، اب اُدھر دماغ پریشان ہے اور یہ جو معدہ ہے، اس میں بھی تم نے گوشت، پائے وغیرہ بھر دیئے، اب میرے بھائی تیرا لبلبہ نہیں چلے گا، انسولین پیدا نہیں کرے گا تو تمہاری دل کی دھڑکنوں میں بڑا فرق پڑ جائے گا، تمہارے نظام ہضم میں بڑا فرق پڑ جائے گا۔

تمہارے سب اعضاء (Organs) 50٪ پر ہونگے اور 50٪ پر چلتے چلتے جیسے گاڑی پہلے گیئر میں دو تین کلو میٹر چلتی ہے تو وہ دوسرے دن پہلے گیئر میں دو تین کلو میٹر نہیں چلے گی، وہ ریورس (Reverse) ہو گی، اگر پہلے دن وہ تین کلو میٹر چلی

ہے تو دوسرے دن وہی گاڑی اڑھائی کلو میٹر چلے گی یا پھر دو کلو میٹر چلے گی اور پھر چلتے چلتے انجن دھواں پھینکے گی، ایسے ہی تمہارا انسولین دھواں پھینکے گا تو تمہاری دل کی دھڑکنیں (Heart beat) تیز ہوں گی، سانس چڑھے گا، آج روحانی بات بتا رہا ہوں، دھیان سے سمجھ لو کہ اگر کوئی ڈاکٹر بیماری بتاتا ہے تو اسکا پس منظر (Back Ground) نہیں بتاتا، وہ تو بس کہہ دیتا ہے کہ سائیں ٹینشن (Tension) نہ لو (Tension) سے B.P ہو جاتا ہے، ارے یہ بھی کوئی بات ہے، یہ کوئی انسان کے بس میں ہے کہ ٹینشن (Tension) آئے اور وہ نہ لے! بڑی بات ہے بھائی، ان ڈاکٹروں کو یہ بات بتاؤ جو راؤ شاکر ابھی بتا رہا ہے کہ اگر ٹینشن (Tension) آئے تو کھانا نہ کھاؤ، یہ روز کہتا ہوں تم لوگوں کو اور تم میری بات نہیں مانتے، تمہیں لگتا ہے کہ میں کھانا بچانے کے لیئے بول رہا ہوں، ارے نہیں بھائی کھانا میرا تھوڑی ہے، کھانا تو قدرت کا ہے، لیکن پیٹ تو تمہارا ہے، طبعیت تو تمہاری ہے، کیسے کام کرو گے ؟ اس لیئے خدا کی قسم تم اپنے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو اور تم بیماریوں میں اُلجھتے جاؤ گے، اس لیئے ذہنی کام کرو تو نا کھاؤ! اگر کھاؤ تو ذہنی کام نہ کرو! ورنہ مارے جاؤ گے، بیمار پڑ جاؤ گے، بہتر یہ ہے کہ کھانا بھی کم کھاؤ، پھر اگر تمہیں کمپنی کو حصّہ دینا ہے اور اپنے بچوں کو حصّہ دینا ہے تو پھر تُو ایک قربانی تو دے، ورنہ اُوپر سے تیری مدد کیسے آئے گی؟ تُو پیٹ کو چھوڑ، آدھا ذہن اُدھر دے اور آدھا اِدھر دے، پھر اگر انسولین نہ آئے یا جو بھی بیماری ہو، میں گارنٹی دیتا ہوں، اصل میں یہ جو بھی انگریزی علم ہے یہ علم نہیں ہے، علم یہ ہے جو میں ابھی بات کر رہا ہوں، لیکن کوئی نہیں سمجھ رہا، اب ڈاکٹر نہیں بتا رہے تو اس سے میں بندھا تھوڑی ہوں، اب خود دیکھ لو میں نے آپ

لوگوں کو کوئی کام ایک بار لکھ کر دیا، دو بار لکھ کر دیا، دس بار لکھ کر دیا، پھر بھی غلطیاں؟ اب میں الزام لگا رہا ہوں کہ دو ہی باتیں ہیں یا تو تم غدّار ہو یا نااہل ہو، میں روزانہ سوچتا ہوں کہ اپنے ورکروں کو ایسا کیا بتاؤں کہ یہ بات ان کہ سمجھ میں آجائے پر یہ بات تمہارے سمجھ میں ہی نہیں آرہی، اب مجھے بتاؤ یہ کیا بیان ہے کہ اس پر چھ سات وکیل لگے ہوئے ہیں، پھر بھی آج چھتیسواں گھنٹہ ہے، بیان نہیں لکھ پائے، اب یہ جو تم ابھی لائے ہو، یہ میں نے نہیں پڑھا، کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ پھر سے غلطی دیکھ کر میں کھول جاؤں گا، اس میں دُرستیاں (Correction) کر کر کے اب بھی غلطیاں ہیں، میں مانتا ہوں کہ یہ ٹیکنیکل (Technical) باتیں ہیں، اس میں کوئی دو کھول نہیں ہیں، لیکن جب کام کرنے کا وقت ہے تو اس وقت کھانا کم کھاؤ ورنہ تمہارے دماغ کا سارا دھیان تمہارے کھانے کو ہضم کرنے اور اندرونی نظام میں ہی لگا رہے گا اور جب کام کا زور ہو گا تو اندرونی نظام کمزور ہو جائے گا، پھر جو ڈاکٹر بتاتے ہیں کہ Mental Stress ہوتا ہے وہ یہی تو ہوتا ہے، میں جب یہاں سے پنو عاقل جاتا ہوں تو اویس! بتاؤ کتنی دیر ورزش (Walk) کرتا ہوں، پاپا ڈیڑھ گھنٹہ شام اور دو گھنٹے صبح، ہاں! اب بتاؤ کہ جب یہاں آجاتا ہوں تو چاہے کم چلوں پر کھانا کم کھاتا ہوں اور وہاں واک ورزش سب چلتی ہے، اللہ کی مہربانی ہے کہ آغا خان کے سارے ٹیسٹ Clear آئے ہیں میری اس عمر میں بھی نوجوانی کی رپورٹس (Reports) آتی ہیں، ڈاکٹر بیٹھا ہے اس بات کا گواہ ہے، اب غم کیا ہے مجھے کہ میرے ورکروں کو کھانے پینے میں بھی ہر وقت پورا ہونا چاہیئے اور میری جیسی زندگی چاہیئے؟ جبکہ انھوں نے دونوں چیزوں کو ایک بنا دیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ زندگی بھی میری جیسی ہو اور پیٹ

بھی بھرا ہوا اور عیاشی میں ہو، دہی بھی، دودھ بھی، پھر لسّی بھی، کبھی کچھ تو کبھی کچھ، تو تمہارا ذہن کام کیسے کرے گا؟

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں کھانا کھانے سے جو میں روکتا ہوں، اس سے میرا کھانا بچ جائے گا تو پھر میں باورچی کو بھی کم کھانے کا بولتا اور اعجاز ڈرائیور کو بھی منع کرتا پر میں نے انھیں کہا ہوا ہے کہ جس دن میں گوشت منگواؤں، اس دن ہی میرے لیئے لے کر آیا کرو، لیکن تم لوگوں کو منع نہیں ہے، تم لوگ جب بھی کھاؤ پر میرے لیئے تبھی لاؤ جب میں منگواؤں، ڈاکٹر خورشید:۔ جی سائیں میرے سامنے کی بات ہے یہ تو آپ کہتے ہیں، تو اس لیئے اگر تم میرے ساتھ وفادار ہو یا کمپنی اور اپنے بچوں کے لیئے بھلائی چاہتے ہو تو اپنے پیٹ کو خالی رکھو، ورنہ بیماریوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

تیرے اندر ہی غلاظت ہے، تیرے اندر ہی صحت ہے
مرض بھی تیرے اندر ہے، مریض بھی تُو ہے، اسے کھوج، یہی تیرا علاج ہے

بہتر ہوتا

بہتر یہ ہوتا کہ خواب ہی بہتر ہوتا
بہتر یہ ہوتا من خوشبو سے معطر ہوتا
روح کو خوشبو جو پہنچتی، میرے لیئے بہتر ہوتا
تُو بدی اور نیکی کے بیچ میں ہے، اچھا سوچتا تو بہتر ہوتا

—

آنکھوں کے سجدے

اللہ اپنے بندے کو مشکل میں ڈال کر دیدار کرواتا ہے، مصیبت کے وقت انجان جگہ مدد کرتا ہے، یہی دیدار ہے، مومن کو اللہ ایسے ظاہر نظر آئے، جیسے چودھویں کا چاند آسمان پر روشن ہوتا ہے، اگر مومن یہ درشن کرتا رہے اور اُس مشکل میں رہنے کی خواہش رکھے اور صبر سے وہیں کھڑا رہے تو پھر دیدار ہوگا، اس لیئے مومن اس طرح ہی دیکھتا رہے محبت سے، پیار سے، مسکرا کر، چاہے دُکھ ہو، چاہے غم ہو، چاہے مشکل میں ہو، یعنی مصیبت میں ہو کر بھی دیکھتا رہے، متوجہ رہے، رجوع رہے، دھیان میں رہے، چاہے ظاہری سجدہ نہ کرے اور یہ نیّت ہو کہ کبھی میں سجدے میں جاؤں تو یہ روشن نور نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے، کیونکہ دیدار کے وقت آنکھوں کے سجدے ہوتے ہیں، دل کا سجدہ ہوتا ہے، دماغ کا سجدہ ہوتا ہے، پھر کُفر کے الزام اور بہتان سہنے پڑتے ہیں، پھر صرف دیدار سے من مسرور رہتا ہے، لیکن آدمی اظہار بھی نہیں کر سکتا، کوئی پوچھے تو یہ مومن خاموش اور گُم سُم صمٌ بکمٌ ہو جاتا ہے۔

عام دیدار الٰہی: مثال جیسے پہلی تاریخ کے لیئے چاند کو غور سے دیکھنے والے دیدار کرتے ہیں، مثال کے طور پر عید کا چاند دیکھنے کے لیئے تجربہ درکار ہوتا ہے، جسے بہت غور سے دیکھنا پڑتا ہے اور دل میں مقصد چاند دیکھ کر عید کرنے اور روزوں سے جان چھڑوانے کا ہوتا ہے اور اگر کسی نے چاند کی باریک لکیر ایک نظر دیکھ بھی لی تو کبھی کبھی تھوڑی دیر کے بعد کسی اور کو دکھانے کی کوشش میں چاند اوجھل ہو جاتا ہے، ایسے ہی مطلب سے چاند کو دیکھنے میں چاند بار بار اوجھل بھی ہو جاتا ہے، اس طرح کی

دوسری مثال کہ آدمی 29 روزوں کے بعد بڑے شوق سے چاند دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نہ نظر آئے اور روزے تیس ہو جائیں تو تیس روزوں کے بعد کوئی بھی شوق سے چاند نہیں دیکھتا اور نہ ہی حسرت سے دیکھتا ہے، بلکہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا ہے، کیونکہ آدمی تو روزوں سے جان چھڑوانا چاہتے ہیں، اس لیئے ایک روزہ بڑھ جانے سے ہی چاند کی اہمیت نہیں رہتی۔

ایسے ہی اللہ کا نور نظر آتا ہے، اُس کا ظہور، تصوّر اور خیال سے بڑا ہے، اس طرح سمجھو مرنے اور جینے کے درمیان ضرور اللہ کے ظہور کے نظارے نظر آئیں گے، پر اللہ کے نظارے اس کی قدرت کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیئے دل کی آنکھیں اور دماغ چاہیے اور ایسی آنکھ بنانے میں رہبر کاریگر بنتا ہے، جو انسان کے دل میں گداز ڈالتا ہے اور اس کی کسرت کرواتا ہے اور دماغ کو بھی اُستاد پھیرتا ہے اور مرشد اپنے طالب کو طرح طرح کے ذکر کے اوزار سے تراش کر مومن بناتا ہے اور پھر سب انسانی اعضاء حمد پڑھتے ہیں اور ہر وقت سجدے میں ہوتے ہیں، پھر کہیں جا کر دل کی آنکھ بنتی ہے اور روشن نور کی مشعل من میں جلتی ہے۔

شعور رکھ

زندگی سازگار ہے، موت چال چلتی ہے
زندگی جینے کا نام ہے، پھر بھی موت کی طرف چلتی ہے

تشریح:۔ جو کُتیا شہر میں پلی بڑھی لوگوں کے درمیان تو اُس کو کاٹنا نہیں آتا، وہ کُتیا صرف لوگوں کے دھتکارنے سے ہی بھاگ جاتی ہے اور جب جنگل میں جائے گی تو اُسے گیدڑ ہی مار دیں گے، چیتا اور شیر تو دور کی بات ہے، اس پہلی سطر کا مطلب ہے

کہ موت ایسی چال کھیلتی ہے کہ موت کے فرشتے پر آنچ تک نہ آئے، اُوپر سے کُتیا کو ہی قصوروار ٹھہرایا جائے گا کہ وہ شہر سے جنگل میں کیوں گئی، اس طرح کی موت یا شکار کی ذمہ دار وہ خود ہو گی، بس یہی موت کے فرشتے کا انداز ہوتا ہے کہ اُس فرشتے پر موت کا الزام نہ آئے، مطلب کہ موت بہانے سے آتی ہے۔

دوسری سطر کا مطلب:۔ اس سطر کا مطلب ہے کہ کچھوا جو کہ پانی کا جانور ہے، پانی ہی میں اسکی رہائش اور پانی ہی میں اس کی خوراک ہوتی ہے، خشکی پر رہنا اس کے لیئے خطرناک ہوتا ہے، لیکن جب موت کا فرشتہ اسے پانی کے بجائے چلتے روڈ پر لے آتا ہے اور جو کچھوا پہلے ہی سُست چلتا ہے، وہ روڈ پر آکر جب آہستہ آہستہ چلتا ہے اور ٹریفک تیز چلتی ہے تو کوئی نہ کوئی ضرور اسے کُچل دیتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، جبکہ دوسرے جانور بھی جلدی بھاگ کر روڈ کراس کر لیتے ہیں اور کچھوا تیزی سے روڈ پار نہیں کر سکتا، اس لیئے موت کے فرشتے پر یہ موت دینے کا الزام نہیں آتا، بلکہ کچھوے کی سُست چال موت کی وجہ بن جاتی ہے، یہ مثال اس لیئے دی گئی ہے کہ موت لوہے کے گھر میں بھی اُسی وقت مقرر پر آجاتی ہے اور کوئی نہ کوئی بہانہ بن جاتا ہے، موت کی جگہ مقرر ہوتی ہے، اس لیئے موت کسی نہ کسی وجہ سے انسان کو موت کی جگہ پر کھینچ لے آتی ہے اور موت برحق ہے۔

تُو گزارے اچھی زندگی ایمان سے، پھر دیکھتے جا اولادوں کو
خود بنوگے نیک تو اچھی اولاد ہوگی، ورنہ ظاہری ادب اور ہوگا فریب

کلام کا جواب

دریا جیسے بہتے ہیں، ایسے ہی دنیا والے بھی بھکتے ہیں
دنیا میں درد پاکر پھر دریا کی طرح ہم بہتے ہیں
دستور دنیا میں رہنے کے عجیب ہیں، جِسے پرہیز کہتے ہیں
خطروں کے قُلزم سے خطر کا خطرہ نہ لگے یہ کیسے ممکن ہو
ساگر کی لہروں کی بھی لہریں ہیں ہر ایک لہر الگ الگ چھلکتی ہیں
لہروں سے ہی ساگر بنتا ہے، یہ کیسے ممکن کہ ساگر پر لہر حادی ہو
ساگر میں شاکرؔ چھلانگ لگاؤ، ساگر چھلکے بھی نہ یہ حاکم کا حکم ہو

تشریح: محترم جناب محمد عمران بٹ صاحب شاعر کسی رازدار یعنی محرم راز کو خدا، انسان اور بندے کے بیچ میں جو تعلق ہے وہ بیان کیا گیا ہے، اللہ بے پرواہ ہے اور انسان بے بس ہے، شاعر نے مثال دی ہے کہ میں دنیا سے درد، دُکھ لیتا ہوں اور صبر کرتا ہوں، چُپ ہو کر بھی شُکر کرتا ہوں، لیکن دنیاوالے خوش پھر بھی نہیں ہیں اور خدا کی رضا حاصل کرنے اور خدا کو راضی کرنے کے لیئے وہ راضی ہو یا نہ ہو خدا کی بے پرواہی کی شان بیان کی ہے۔ مثال کے جیسے سمندر میں کوئی غوطہ لگائے اور وہ پانی سے بھیگے بھی نہ یہ ایسے اُس دلدل میں نہ پھنسے یہ ممکن نظر نہیں آتا دنیا میں انسان کو پیٹ، اولاد، عزّت یعنی بیشمار آزمائش ہیں، لیکن شاعر اللہ سے یہ اُمید کرتا ہے کہ مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں ہم سے پہلے لوگ ایسی دنیا میں گناہ سے پاک دنیا سے رخصت ہو گئے یہ بات اللہ کو سُنانے کے لیئے کسی اور سے بات کرنے میں جو اللہ شہہ رگ سے بھی نزد ایک پڑوسی ہے جو اللہ ہے وہ یہ سُن لے بات شاعر کی اور دنیا میں شاعر کو آسانی میسّر آئے اس لیئے شاعر نے اپنی بات معرفت C/O کے ذریعے عرض کی ہیں۔

بات کی حکمت

1۔ کسی چیز کا واقعہ ہونا الگ بات ہے، کسی واقعہ کے بارے میں بتانا الگ بات ہے اور واقعہ کو دیکھتے ہوئے گزر جانا اور بات ہے۔

2۔ حادثہ ہونا الگ بات ہے، حادثے کی تفصیل بتانا اور بات ہے اور واقعہ کو لکھ کر کورٹ میں جج کے سامنے پیش کرنا اور بات ہے۔

3۔ واقعہ کو ترتیب اور سلیقے سے جج کے دل میں اُتارنا اور بات ہے۔

4۔ جج کا وکیل سے دلائل لینا اور بات ہے اور جج سے اپنے حق میں فیصلہ لینا اور بات ہے۔

5۔ وکیل سے کلائینٹ (Client) کا قانون پوچھنا اور بات ہے اور وکیل سے اپنے حق میں قانون استعمال کروانا اور بات ہے۔

6۔ سمجھنا اور بات ہے، سمجھانا اور بات ہے اور سمجھا سمجھا کر پھر عمل سے کامیاب ہو جانا نصیب کی بات ہے۔

کوئی تیرا نہ بنتا، جب تک تُو کسی کا نہ بنتا
تب تک تم کو کچھ نہ ملتا، جب تک اپنی جیب کو نہ چُنتا

زمانے کی ریت ہی کچھ ایسی ہے، پھر تیری نیّت کیا ہوگی
جو آیا نیا زمانے میں، اُس کی جیت کیا ہوگی

صحبت کی بات سے

مناسب یہ ہے کہ تم کوئی گلہ شکوہ نہ کیا کرو، کیونکہ انسان مشکل وقت میں اللہ سے کیا وعدہ بھول جاتا ہے، انسان کو چاہیئے کہ وہ اُس وقت کو نہ بھولے اور ہر کام کرنے سے پہلے اپنا وعدہ یاد رکھے اور اپنی اوقات کے مطابق حساب لگائے کہ اس نے جو مانگا تھا وہ مل گیا، یعنی ہر حال میں شُکر ادا کرے اور دنیا میں ایسا کام کرے کہ اللہ کے روبرو شرمندگی سے بچ جائے، اس لیئے اگر تمہیں وہ مل گیا جو تم نے شدید ضرورت کے وقت مانگا تھا تو بس اب شُکر کرتے جاؤ۔

سچا اور اصلی خواب

میں دل میں رنج و غم چُھپا کر سب کے آگے مضبوط بنی رہی، لوگ میرے حوصلے کو توڑنے لگے، تب بھی میں وہاں کھڑی رہی، پتھروں کی اُس بارش میں، دُکھ کے سمندر میں ڈوب گئی اور میں نے ڈوب کے اُس سمندر میں چمکتا سا اِک سکون دیکھا، جب پھر سے رنج و غم آیا تب پتہ لگا کہ وہ نور ہے، پھر جب نور سے آشنا ہوئی تو دیدار کی چاہ ہوئی، پھر انتظار میں وقت گزرا اور اگلا دُکھ آیا، کیا خوب سکون ملتا ہے جب اشک بہتے ہیں اور اس سمندر میں ڈوب کر اس نور سے آشنائی ہوتی ہے، کیا کمال ہے فقیروں کا جو سمندر میں ہی رہتے ہیں، اُن کا مزا بس وہ جانیں اور تو سب بِکتے ہیں۔

اپنا گریبان!

تیرا سایہ وقت کے ساتھ بدلنے والا ساتھی ہے، جبکہ آئینہ وہ دوست ہے جو جب تم ہٹو گے تو وہ بھی ہٹ جائے گا، ورنہ آپ کے ساتھ ہی رہے گا، دنیا کے دوست سائے کی طرح وقت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں، پھر بھی کچھ دین و دنیا کے دوست تمہارے ساتھ آئینے کی طرح ہوتے ہیں، اس طرح جو بھی آئینے کے سامنے آئے گا، اُس کو ہی پہچانے گا، یہ مثال مصنف نے اس لیئے دیا ہے کہ دنیا میں دوستوں اور رشتہ داروں پر بے وفائی کی تہمت نہ لگاؤ، نہ ہی کسی دوست کے وقت پر سائے کی طرح کوئی شکایت کرو، کیونکہ ان کی بناوٹ ہی کچھ ایسی ہے، ہم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ اُن کی خصلتوں کو خامیوں میں بدل کر انہیں بدنام کریں، کیونکہ ہم میں بھی کچھ ایسی خامیاں ہیں، جن کو ہم اپنے آپ میں خصوصیّت سمجھتے ہیں، حالانکہ سینکڑوں لوگوں کو آپ کی اس خصوصیت سے نفرت ہے، تم ان کو سمجھا بھی نہیں سکتے اور نہ ہی اُن کو اپنی اس خامی کو اچھائی سمجھنے کے لیئے قائل کر سکتے ہو یہ ناممکن ہے، بس ایسا ہی کچھ کرو کہ خود کسی دوست کے ہو جاؤ یا دوست کو اپنے ساتھ شامل خیال کر لو۔

ماں تو ماں ہے، اس کی محبت کا اظہار کرنا مجھے نہیں آتا
سب مال بھی، متاع بھی، ماں کی ممتا سے ممتاز نظر نہیں آتا

دینے میں دل سے خوشی

شعر:

رقم دینے والے گاہک کی خوشی آدھی سمجھی ہے
رقم اللہ کے نام پر لینے دینے والے کی خوشی پوری سمجھی ہے

تشریح:۔ آدمی کو پیسوں کی آمدنی ہو جائے اور خوشی مل جائے تو سمجھو کہ آدھی خوشی ملی ہے اور آپ جب اللہ کی راہ میں خرچ ہونا شروع ہو جائیں تو سمجھیں کہ اصل آمدن اب شروع ہوئی ہے اور دینے سے خوشی مل جائے تو وہ پوری خوشی ہوتی ہے۔

الہام اور ابہام

حاکم کا حکم ہے حلم دینے اور علم لینے کا
وحی والے نے یہ حکم دیا ہے حلم کا
عالم میں عالم، یہی مقصد ہے علم کا
الہام والوں سے علم لو بے علم ہوکر، یہ حکم ہے حاکم کا
الہام والوں کے پاس بیٹھنے سے ہی جواب ملے ابہام کا
الہام والوں سے ہی معلوم کرو پتہ ابہام کا
الہام والوں کو انکے حال پر چھوڑو، صرف اُن سے مطلب جانو اقوال کا

ماں میں مام پھر بھی انعام

قول:۔

کون کہتا ہے ماں کے جانے کے بعد دُعا کے دروازے بند ہو جاتے ہیں
اگر ماں سے محبت ہو تو کئی اور دروازے وہاں کے کُھل جاتے ہیں

محمد زبیر شیخ: اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ کو فرمایا کہ اے موسیٰ! اب سنبھل کر چلو، کیونکہ اب اس دنیا میں تمہاری ماں نہیں رہی۔

شاکر نمانا: اس دنیا میں جو بھی رشتہ ہے، چاہے وہ ماں ہے، چاہے باپ ہے، چاہے دوست ہے، مرشد ہے، اگر اس دنیا میں اُس کے ساتھ تمہاری محبت کا جنون تھا اور اس کی بھی تمہارے ساتھ محبت تھی تو پھر اس بندے کے جانے کے بعد بھی دُعا کے دروازے کُھلے رہتے ہیں اور مزید کھول دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر دنیا میں تمہاری ان سے محبت نہیں تھی تو جب تک تمہاری ماں زندہ ہے اور اس دنیا میں ہے، تب تک وہ تمہارے لیئے دُعا گو رہے گی، کیونکہ وہ ماں ہے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد دُعا کے دروازے تمہارے لیئے بند ہو جائیں گے۔ اب جیسے آپ کہہ رہے ہیں کہ موسیٰؑ کو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اب سنبھل کر چلو، اب اس دنیا میں تمہاری ماں نہیں رہی، اب یہ اس لیئے کہا، کیونکہ موسیٰؑ کی ماں نے موسیٰؑ کو دریاء میں بہا دیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کو پالا کس نے تھا؟ بی بی آسیہ نے جو کہ فرعون کی بیوی تھی، اب موسیٰؑ کی ماں کی محبت نہ وہاں کی رہی نہ یہاں کی، اب جب تک ماں دنیا میں تھی، تب تک دُعا کرتی رہی، لیکن جیسے ہی اس جہاں سے رخصت ہوئی تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے

موسیٰؑ! اب سنبھل کر چلو، اب تمہاری ماں اس دنیا میں نہیں رہی، اب یہ ابہام ہے کہ کونسی ماں کے مرنے کے بعد اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ کو یہ فرمایا تھا۔

ایک ماں نے موسیٰؑ کو دریا میں بہا دیا تھا
ایک ماں نے موسیٰؑ کو دریا سے اُٹھا لیا تھا
دو ماؤں کے بیچ میں، یادوں اور دُعاؤں کا اِبہام تھا

جب موت عام تھی تو مجھے دستیاب نہ تھی
تب موت مجھے دستیاب ہوئی، جب موت عام نہ تھی

جہان میں جھجک سے کام لے پر جھوٹ پر جھجک نہ کر، سچ پر چل
جہان میں جلوہ اگر دیکھنا ہے جلیل کا، تو اپنے دل و دماغ پر ضبط کر

ماں بنا دربدر ہوگیا، دل لگتا نہیں کونے کونے چھان لیئے
ماں نظر نہ آوے، نہ کوئی نتیجہ آوے، نہ کوئی وظیفہ آوے

کوئی آسانی سے جینے کی اجازت تک نہیں دیں گے تجھ کو ہم جنس
مانگنے اور لینے کی آس میں شاکرؔ، نہ رہیں گے کبوتر، نہ رہے گا ہنس

فیس بک سے سوال

سوال فقیر خان محمد:۔ کیا دوست مند کو (حیض والے) کو بھی فیض دیا جاسکتا ہے، حیض سے مراد دنیا دولت ہے، دنیازن حیض پلیتی؟

جواب:۔ حیض کے دو مطلب ہیں، ماں کے پیٹ کے اندر بچہ جو خوراک کھاتا ہے تو اس سے جو بچتا ہے وہ حیض ہی ہوتا ہے، حیض بچے کی خوراک بھی ہے، حیض پلیتی بھی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دولت بھی ایسے ہی ہے، دولت سے دنیا میں دُعا اور دوا حاصل ہوتی ہے اور دولت سے دنیا میں دَغا، دھوکے اور گناہ کا دھندا بھی ہوتا ہے، جو جیسے اس کو استعمال کرلے فائدہ، نقصان بندے کے خود کے ہاتھ میں ہے، حیض ماں کی ممتا کی ہنچ بھی ہے، ماں کے پیٹ میں بچے کی سیج بھی ہے، تو کبھی حیض کو ایسے سمجھ کہ یہ خوراک بھی ہے اور غلاظت بھی ہے، سمجھانے کی سمجھ ہو تو عین غین کی صورت ایک ہے، لیکن یہ سمجھنا بھی فرض ہے۔

قول1:۔ گناہ وثواب کے سوال خود کے پاس ہوتے ہیں۔

قول2:۔ گناہ وثواب کے جواب بھی خود ہی کے پاس ہوتے ہیں۔

قول3:۔ گُمان کا سامان خود اپنے پاس ہوتا ہے، وہ گناہ ہو یا غم یہ خود کے ہیں دم۔

قول4:۔ عمل کے تیر اور کمان انسان کے اپنے پاس ہوتے ہیں۔

بلندی کی نظر

فیس بک سے لیا گیا ایک واقعہ:۔

ایک والد اپنے بیٹے کو پتنگ اڑانے کے لیئے لے گیا، بیٹا باپ کو غور سے پتنگ اڑاتے دیکھ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد بیٹا بولا، پاپا یہ دھاگے کی وجہ سے پتنگ اور اُوپر نہیں جا پا رہی، کیا ہم اسے توڑ دیں کہ یہ اور اُوپر چلی جائے؟ تو والد نے بیٹے کی بات سُن کر دھاگے کو توڑ دیا، پتنگ تھوڑا سا اور اُوپر گئی اور اس کے بعد لہرا کر نیچے آئی اور دور انجان جگہ پر جا کر گر گئی، تو تب باپ نے بیٹے کو زندگی کا فلسفہ سمجھایا کہ بیٹا! زندگی میں ہم جس اونچائی پر ہیں، ہمیں اکثر لگتا ہے کہ کچھ چیزیں، جن سے ہم بندھے ہوئے ہیں، وہ ہمیں اور اُوپر جانے سے روک رہی ہیں، جیسے گھر، خاندان، نظم وضبط، والدین وغیرہ اور ہم ان سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، اصل میں یہی وہ دھاگے ہوتے ہیں جو ہمیں اس اونچائی پر بنا کے رکھتے ہیں، ان دھاگوں کے بغیر ہم ایک بار تو اُوپر جائیں گے، لیکن بعد میں ہمارا وہی حشر ہو گا جو بن دھاگے کی پتنگ کا ہوا، لہٰذا زندگی میں اگر تم بلندیوں پر بنے رہنا چاہتے ہو تو کبھی بھی ان دھاگوں سے رشتہ مت توڑنا، کیونکہ دھاگے اور پتنگ جیسے تعلق کے کامیاب توازن سے ملی ہوئی اونچائی کو ہی "کامیاب زندگی" کہتے ہیں۔

روحانی نوٹ:۔ جس نے بھی یہ مثال دی ہے، بالکل درست ہے، اُس نے مثال دی ہے کہ انسان جب اُوپر چلا جاتا ہے تو ترقی کر جاتا ہے، لیکن وہ بچتا نہیں، اصل میں پتنگ یہ کہتی ہے کہ مجھے اور ڈھیل دی جائے اور اگر ڈھیل نہیں دیتے تو مجھے توڑ دیا جائے، تاکہ میں مزید اُوپر چلا جاؤں، اب اِس پر روحانی نوٹ یہ ہو گا کہ پتنگ اگر اُوپر چڑھ گئی ہے تو ڈوری تو خاندان والوں کے ہاتھ میں ہے، رشتہ داروں کے ہاتھ میں ہے،

اب پتنگ جب چڑھ گئی تو اب وہ اُوپر سے ہی کہیں جائے گی، اس کو اگر کھینچ کر کونے میں رکھا جائے گا تو کل کی قسمت اس کی پھر دوسری ہوگی کہ وہ چڑھے یا نہ چڑھے اور ہو سکتا ہے کہ اسے نیچے اتارتے ہوئے بھی وہ پھٹ جائے، خراب ہو جائے، تم دھاگا توڑ دو، پھر اس کی قسمت ہے کہ اُوپر جائے یا نیچے کسی اور کونے میں جا گرے، اپنی طرف اس کو کھینچنے کے بعد اس کے بچنے کے کوئی امکانات نہیں ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جب کسی کونے میں جا گرے تو وہ کسی اور استاد کے ہتھے چڑھ جائے اور وہ اسے اچھے طریقے سے بنا کر مزید اُوپر چڑھا دے، لیکن جب پتنگ ایک بار اُوپر چڑھ گئی تو اُن خاندان والوں سے وہ بچھڑ گئی، وہ دوبارہ ملنا مشکل ہے، وہ اس کو نہیں اپنائیں گے، تو میں اس مثال کو غلط نہیں کہہ رہا، یہ صرف روحانی نوٹ ہے، تو اس نے جو مثال دی ہے کہ رشتہ داروں سے جڑے رہو تو تم ضرور جڑے رہو، لیکن یہ دھیان رکھو کہ اب وہ تمہیں برداشت نہیں کریں گے، وہ آپ کو قبول (accept) ہی نہیں کریں گے، کیونکہ وہ انتظار کرتے ہیں کہ کب یہ پتنگ ٹوٹے گی، کب کسی کونے میں جا کر گرے گی، مطلب کہ کوئی رشتہ اُس ڈوری کو تھام کر نہیں رکھتا، اور اس مثال میں ایک حکمت کی بات ہے جو ہم نے ظاہر کر رکھی ہے کہ ہماری ڈوری اِن سے جڑی ہے، ہم اِن میں مکس ہیں، ہم اِن کے غم میں شریک ہو جاتے ہیں، یہ احساس دلانے کے لیئے کہ ہماری ڈوری تمہارے ہی ہاتھ میں ہے، یہ آسرا دینا ہی پڑتا ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ تم نے جس کے بھی ہاتھ میں ڈوری دے دی، وہ تمہیں آکاش سے کھینچ کر، نیچے لا کر کونے میں پھینک دے گا، جس نے یہ مثال دی ہے کہ ڈوری ٹوٹ کر کہیں اور کسی کونے میں جا گرے گی تو وہ خود سا پتنگ کو نیچے کھینچ کر کونسا تاج بنائے گا؟ وہ بھی تو اسے کونے میں ہی رکھے گا، تو اس لیئے پتنگ کے چڑھنے کے بعد اس کی زندگی وہی ہے اور وہی اس کی

موت ہے، کیا تم نے کبھی باز کو دیکھا ہے زمین میں گھونسلا ڈالتے ہوئے؟ نہیں وہ ہمیشہ اونچائی پر اور پہاڑوں پر ہی گھونسلا بناتا ہے، اس لیئے یہ یاد رہے کہ جب تم ایک بار اُوپر چڑھ گئے تو سمجھو سب سے بچھڑ گئے، اب یہی نصیب ہے کہ ڈوری توڑنی ہے اور اُوپر ہی موت آنی ہے، بس! چڑھنے کے بعد کیا اترنا اور اگر اترنا ہی تھا تو چڑھا کیوں تھا!؟

آگہی میری

میرے مرشد نے پچھلا سارا تجربہ بتادیا
مجھے اپنے خود کے تجربے کرنے سے بچالیا
یہ کُھل کر بتادیا کہ سو سال میں اُسے دوست نہ ملا، میرے کئی سالوں کو بچالیا
میں نے پھر اپنے من کے مندر میں مرشد بٹھادیا
مرشد نے چُپ سے اللہ سے مجھے ملادیا
مرشد کے میکدہ کو میں نے اپنا گھر بنالیا
میں نے منانے کی کوشش کی تو مجھے مولا نے اپنالیا
مرشد نے مجھے جو دے دیا، وہ میں نے دل میں سمالیا

ضد کے بھی قواعد و ضوابط ہیں، اگر ضد حق پر ہو جائے
جھوٹ پر ضد فضول گناہ ہے، کیوں نہ ضد کا شک بھی ہو جائے

خود پر بھی نظر رکھ!

فیس بک سے حاصل کیا گیا: ایک کسان کی بیوی نے اسے مکھن تیار کر کے دیا اور وہ اسے لے کر فروخت کرنے کے لیئے اپنے گاؤں سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا، یہ مکھن گول پیڑوں کی شکل میں بنا ہوا تھا اور پیڑے کا وزن ایک کلو تھا، شہر میں کسان نے اس مکھن کو حسب معمول ایک دُکاندار کے ہاتھوں فروخت کیا اور دُکاندار سے چائے کی پتی، چینی، تیل اور صابن وغیرہ خرید کر واپس اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا، کسان کے جانے کے بعد دُکاندار نے مکھن کو فریزر میں رکھنا شروع کیا، اسے خیال آیا کہ کیوں نہ ایک پیڑے کا وزن کیا جائے، تو وزن کرنے پر پیڑا 900 گرام کا نکلا، دکاندار نے حیرت وصدمے سے سارے پیڑے ایک ایک کر کے تول ڈالے، مگر کسان کے لائے ہوئے سب پیڑوں کا وزن ایک جیسا اور 900-900 گرام ہی تھا، اگلے ہفتے کسان حسب کے لیئے مکھن لے کر جیسے ہی دُکان کے تھڑے پر چڑھا، دُکاندار نے کسان کو چلّاتے ہوئے کہا کہ دفع ہو جاؤ، کسی بے ایمان اور دھوکے باز شخص سے کاروبار کرنا میرا دستور نہیں ہے، 900 گرام مکھن کو پورا ایک کلو گرام کہہ کر بیچنے والے شخص کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا میں، کسان نے افسردگی سے دُکاندار سے کہا: "میرے بھائی مجھ سے بدظن نہ ہو، ہم تو غریب اور بے چارے لوگ ہیں، ہمارے پاس تولنے کے لیئے باٹ خریدنے کی استطاعت کہاں، آپ سے جو میں ایک کلو چینی لے کر جاتا ہوں اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ کر، دوسرے پلڑے میں اتنے وزن کا مکھن تول کر لے آتا ہوں۔

شاکر نمانا: یہ سبق آمیز کہانی تو ہے، لیکن اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اس کسان نے تو دکاندار کی چینی پر اعتبار کیا پر اپنے ایمان کی پرکھ کسی اور کے ایمان پر کیوں رکھی جائے۔

قول:۔

اپنے ایمان کے ترازو کو، اپنے ہی مَن کے ترازو میں تولو
اپنے مَن کا ایمان کسی اور کے مَن کے ترازو میں نہ تولو
اپنے مَن کا ایمان کوئی اور تمہارے مَن میں تولے تو اسے تولنے دو

——

سچ کڑوا کیوں ہے، یہ تو مرض کی دوا ہے اور دُعا بھی ہے
اور کونسا مرض ہے سوائے جھوٹ کے، جو دوا کے بغیر ہے

——

جلنے اور جلانے کی دنیا میں، بات بھانت بھانت کی بات کی ہے
کچھ تنقید کے گھات کی ہے، کچھ کسی کو منانے میں مات کی ہے

——

گزرے واقعے کو ماضی کا نام دے کر، تقدیر نام رکھ دیا
گزرا واقعہ تو تیری سوچ کے مطابق تھا، تقدیر تو انہونی ہوتی ہے

——

اب تو جنگل سے نکل آئے ہیں فقیر، پہاڑوں سے اُتر آئے ہیں گُرو
ویرانے میں ہی چھوڑے بھیس داڑھی جُبّے، بندوں کے بیچ بندگی ہوگئی شروع

——

داڑھی چٹ، منہ پھٹ، غصّہ پیتے گٹ گٹ، کام کریں فٹا فٹ، نہ نٹ نہ پٹ
نہ کوئی لٹھ، نہ بڑھا، نہ گھٹ، ذکر سٹا سٹ، کھاتے ہیں مٹامٹ

——

مصنف ضامن ہے

سوال:۔ سر آپ کے پاس اتنا کچھ ہے، آپ امیر (Landlord) ہو تو اپنے بچوں کے لیئے کچھ کرو، ان کے لیئے بھی کچھ بناؤ، ورنہ یہ گناہ ہے یہ حدیث میں لکھا ہوا ہے۔۔؟؟

جواب:۔ مجھے جب کسی بندے نے یہ سب کہا اور یہ سوال کیا تو میں نے اُسے کہا کہ ارے بھائی جانے دو، تم اپنی باتیں بناتے رہتے ہو، میں نے اسے یہ کہا تھا، لیکن اُسے جواب نہیں دیا، جبکہ اس کا جواب اسی وقت مجھے آ گیا تھا جو میں نے اس وقت صرف Hint کے طور پر کہا تھا کہ آدمی سکون کی تلاش میں بے سکون ہو جاتا ہے، یہ Hint اویس کو دی تھی، تاکہ یہ مجھے بعد میں یاد دلا دے اور بطور اصلاح میں اس بات کا جواب دوں، اب سُنو۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں جہاں سکون کی حد ختم ہوتی ہے، وہاں سے Crime جنم لیتا ہے، یہ جو شاہد مسعود نے بھی بتایا تھا ٹی وی پر کہ وحشی صفت لوگ (بچوں کی وڈیو بنا کر باہر ملک بیجتے ہیں) تو بیٹا باہر کے ملکوں میں اتنے جرم ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا، تم بچے ہو، لیکن یہاں بھی اتنے Crime ہوتے ہیں کہ حد سے زیادہ اور بڑے باپ کی بگڑی اولادیں، جن کے ماں باپ ان کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں تو وہ اُس حد کو چھونا چاہتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ آخری حد کیا ہے؟ اس طرح سکون کی تلاش Crime کو جنم دیتی ہے، جیسے شہر ذات ڈرامہ جس نے بھی لکھا ہے، اس میں بھی ایک لڑکی کو اس کے ماں باپ نے اتنی آزادی دی کہ اس کی ساری باتیں مان مان کر، خواہشات پوری کر کر کے اس کی خواہش کی ہر حد کو پار کر دیا، اب اسے اپنی حدود (Limits) کا پتہ ہی نہیں تھا اور وہ خود آخری حد کو چھونا چاہتی تھی تو اس نے ایک پائلٹ شوہر چن لیا جو اس کے گُمان،

یعنی اس کے خود کے ہی بنائے تصوّرات بُت سے ملتا جلتا دِکھتا تھا، اسے لگا کہ اس کے گمان کے ہیرو سے شادی کے بعد اسے سکون حاصل ہو جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا، یہ سارے اپنے ہی بنائے ہوئے تباہی کے راستے ہیں جو سکون کی تلاش میں لوگ خود چنتے ہیں اور یہ جو موہم جو ہم (Stuntmen) والے ہوتے ہیں، جیسے منہ سے لوہا گزار لیتے ہیں یا یہ جو اگلے دن ٹی۔وی (T.V) پر دکھا رہے تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو کا بیٹا اب باہر ملک میں ہے اور اُلٹے کاموں میں لگا ہوا ہے، پتہ نہیں کیسے کیسے Tattoos بنوا کر کیا کیا کرتا ہے، بھئی اُن کو اتنے پیسے، اتنی جائداد تھی کہ اب وہ حد کو چھو رہے ہیں، اور باہر کے ملکوں میں جو جنس بدل لیتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ عورت مرد بننے کے اور مرد عورت بننے کے آپریشن کرواتے ہیں، یہ سارے یہی عروج ہیں جو آدمی سکون کی تلاش میں کچھ کچھ کرتے پھرتے ہیں، میں اگر تم لوگوں کو خود ہی آسائشیں دینے کے خیال میں اکٹھا کروں گا تو پکڑا جاؤں گا اور اگر تم خود اپنے لیئے محنت کرو گے تو وہ تمہارا پھل ہو گا، وہ تمہیں سکون پہنچائے گا، اس ساری بات کا مطلب ہی یہی ہے کہ جو سکون کو پہنچنے کی حد ہے، اس کو گزرنے کے بعد سارا کرائم ہے، جو لفظ جستجو ہے، اس میں مزا ہے، میری اتنی طبعیت خراب تھی کہ تم سب مل کر مجھے دبانے لگ گئے اور مجھے آرام آگیا، بس یہی سکون ہے، میں نے خود ہٹا دیا تم لوگوں کو، تو بس یہی سکون ہے، اس سے زیادہ آسائش چاہوں گا تو غلط کروں گا۔

حضرت مولا علی کا قول ہے کہ ضرورتوں کو محدود کر لینا، بہت بڑی شاہو کاری ہے۔

اللہ کو سمجھنے کے طریقے

وحشی شیر کا معصوم ہرن کو شکار کر کے کھا جانا، اِس کی لذت اُس وحشی شیر کو ہوتی ہے، کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ معصوم ہرن جو شکار ہوا، اس کو کیا ذائقہ ملا ہے؟ اس کو اس وحشی شیر سے زیادہ لذت ملی، کیونکہ اللہ پاک نے اس کے شکار ہونے میں ذائقہ رکھ دیا ہے، ایسے ہی کوئی بیمار، بے گناہ، معصوم بچہ، ماں ہو، باپ ہو، بھائی ہو یا بہن، ان کی بیماری ظاہری تکلیف دہ ہوتی ہے، لیکن اس کی لذت اس کو ہی پتہ ہوتی ہے، ہمارے لیئے اس میں عبرت ہے اور سمجھنے والوں کے لیئے سمجھ ہے، میں آپ کو اپنے دوست کا بتایا ہوا واقعہ بتاتا ہوں جو کہ میری اس بات کو مزید اچھے طریقے سے سمجھنے میں مدد کرے گا، شنکر لال میرا ایک دوست ہے، اس نے مجھ سے سوال پوچھا کہ بدین سائیڈ پر ایک لڑکی ہے، اس کو ایک بیماری ہے، جس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے، اس کو مصنوعی آکسیجن لگی ہوئی ہے، اس کو کسی نے ایسی مشین خرید کر دی، جس سے خود بخود آکسیجن بنتی ہے اور وہ لڑکی آکسیجن اتار کر بات بھی کر لیتی ہے، اس کو سینکڑوں بیماریاں ہیں، جس وقت تھوڑی بھی آکسیجن کم ہوئی تو وہ اس ہی وقت مر جائے گی، وہ آپس میں سات آٹھ بہنیں ہیں اور ان کی کوئی روزی نہیں ہے، یہ شنکر والے ملنے گئے تھے تو بتا رہا تھا کہ وہ ہنس ہنس کر بات کرتی ہے اور کبھی آکسیجن کم بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ آکسیجن بنتی ہے پھر جمع ہوتی ہے تو جب آکسیجن کم ہوتی ہے تو اس کا سانس گھٹنے لگ جاتا ہے، پھر وہ اس مشین کو خود چلا بھی لیتی ہے اور وہ چل بھی نہیں سکتی، لیکن خوش بہت ہے، اب اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم اس کی اس حالت کی وجہ ڈاکٹر سے پوچھیں کہ یہ خوش کیسے ہے، اس کو اتنی بیماریاں ہیں، اتنی تکلیف ہے، پھر بھی یہ خوش کیسے ہے؟ تو وہ کہے گا کہ جب آدمی کے پاگل پن کی حد ہو جاتی ہے، اس کے دماغ کا کنٹرول ختم ہو جاتا ہے، پھر وہ بہت ہنستا

رہتا ہے، وہ ڈاکٹر اس کی یہی تشخیص (Diagnose) کرے گا اور ہم بھی ڈاکٹر کی بات بآسانی مان لیں گے، لیکن ایسا نہیں ہے، اصل میں اس نے سب کچھ اپنے سامنے دیکھ لیا ہے اور اپنا معاملہ اللہ کے سُپرد کر دیا ہے، اس نے موت کو اپنا لیا ہے، اس نے موت کو دیکھ لیا ہے، ذائقہ چکھ لیا ہے اور مرنے کے نزدیک کا ذائقہ اس کو ہی پتہ ہے، کیونکہ اس نے موت کو نزدیک سے دیکھ لیا ہے، مرتے مرتے روزانہ بچ جانا، یہ ہماری نظر میں تو عذاب ہے، حالانکہ ہم یہ سوچ کر عذاب میں ہیں اور جو عذاب میں ہے وہ اصل میں عذاب میں نہیں ہے، بلکہ ہماری سوچ میں عذاب ہے، وہ ہمارے لیئے عبرت ہے اور اسے کوئی عبرت نہیں ہے، یہ باتیں انسان کو سمجھانے کے لیئے ہیں، یہ ساری نعمتیں، جس کا انسان کو احساس بھی کبھی ہی ہوتا ہے جو بڑی ہی آسانی سے اسے مل گیا ہے، اس لیئے سانس لینے کی آسانی کا بھی شکر ادا کرنا چاہیئے، اللہ نے ہمیں کتنی ہی انجان نعمتیں دی ہیں، اگر ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں تو ہمیں پتہ لگے گا کہ ہم پر کتنی ہی رحمتیں ہو رہی ہیں اور اللہ پاک نے کیسے کیسے فائدہ کی فیکٹری (Auto factory) ہمارے اندر لگادی ہے، بس اللہ کا کرم ہے، اللہ کا شُکر ہے، رحمٰن ہم پر رحم کرتا جارہا ہے اور ہمیں شُکر کا خیال ہی نہیں ہے۔

جہاں فرعون ہوتا ہے، وہاں ضرور ظلم ہوتا ہے
جہاں فرعون ہوتا ہے، وہاں ضرور موسیٰؑ ہوتا ہے
جہاں سے نقصان ہوتا ہے، وہاں سے فائدہ بھی ہوتا ہے
جہاں جھوٹ کا طلسم ہوتا ہے، وہاں پکّا وعدہ بھی ہوتا ہے

دنیا کا کارواں کیسے چلتا ہے؟

دنیا کا کارواں ایسے چلتا ہے کہ ایک ماں تکلیف سے بچے کو جنم دیتی ہے، جنم کے دوران جو تکلیف اور اذیت آتی ہے تو وہ عورت دوبارہ ماں بننا ہی نہیں چاہتی ہے اور اگر عورت نے غم، دُکھ، میں رہتے ہوئے بھی پرورش کر کے دنیا میں اگر بچی پیدا کی ہے تو وہ نور روشن کرنے کے لیے دنیا کو ایک اور ماں دیتی ہے، یعنی ماں کی ممتا اور پرورش محبت کا زینہ ہے، آسمان کا تحفہ ماں ہے اور بہت پیاری چیز ہے ماں جو اولاد کو مستقبل کے تحفظ کی گود میں پالتی اور ہر تکلیف سے بچاتی ہے، کیونکہ محبت کو جنم بھی ماں دیتی ہے، ماں کی محبت الفاظ کی محتاج نہیں ہے۔

اس طرح جب بھینس تکلیف کاٹ کر بچہ دے دیتی ہے تو اس کے بعد ہی وہ دودھ دیتی ہے اور اس کے علاوہ اگر بچی دے گی تو وہ بھی بھینس بن کر دودھ دے گی، دودھ میں اضافہ کرے گی اور انسانوں کے لیے گوشت مہیا کرے گی، لیکن کھائے گی قدرتی گھاس، اگر آدمی خود ہی اسے مزید خوراک کھلا کر زیادہ دودھ حاصل کرے تو وہ اس کی لالچ ہے، ورنہ بھینس تو خود قدرتی گھاس ہی کھاتی ہے اور غذائیت، طاقتور یہ کیلشیم اور وٹامن سے بھرپور دودھ دیتی ہے۔

شاکر نمانا بھی ایسا کچھ کر رہا ہے، آر۔ آر گروپ میں عورت کو جنم دیتے وقت تکلیف ہوتی ہے، وہ شاکر نمانو کو بار بار جنم کا جہنم والا درد و غم سہنا پڑتا ہے، لیکن دنیا تو آباد ہوتی ہے، آر۔ آر گروپ تو مضبوط ہوتا ہے، انسانوں کے لیئے روزی کی راہیں تو کھلتی ہیں اور نئے نئے مزے، نئے نئے بازار، نئے نئے نظارے، وہ تو دنیا کو راحت دیتے ہیں، شاکر نمانا ہزاروں اور بلا واسطہ لاکھوں لوگوں کو خوش کرتا ہے۔ جب تک انسان یا کوئی بھی چاہے جانور ہو، بن دباؤ کے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور نہ ہی کسی چیز کو ترقی دے سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے

کہ وہ دباؤ میں ہی چیزوں کی حفاظتی ترکیب، ترتیب اور سلیقہ استعمال کر سکتا ہے، بہادری، حکمت اور دانائی گھر میں بیٹھنے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ میدان میں لڑنے والی صلاحیّت جنگ کے میدان میں ہی آئے گی، نا کہ کسی گھر کے کونے میں بیٹھ کر آئے گی۔

مجاہد بن من سے لڑ، صرف مسجد میں مجاہد، نا بن اس کو ایمان کہتے ہو
موقعے کی تلاش ہو جائے، اس کو جہاد کہتے ہو، پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو
منجدھار میں مخلوق کو چھوڑ کر خود کو مومن مانتے ہو، اُوپر سے نیک گُمان کہتے ہو
بیچ سڑک پر کچرا پھینک کر، اپنے ہی حُسن کو مٹا کر، خود کو انسان کہتے ہو

پتے کی بات

خیال 1:

آجائے یقین تو ایمان ہوجائے، جیسے کہ مکان سے گھر ہوجائے
خود کو امان مل جائے، اوروں کے دینے کے لیے یقین کی دکان کُھل جائے

خیال 2:

پستی اور بلندی میں فرق کتنا ہے شاکرؔ، کلیدی غصہ ہے
اپنی پستی پتے والوں سے پوچھ، پھر پستی دور ہو سکتی ہے، ورنہ پستی تم کو پیسے گی
پستی ہستی تو کیا بستی مٹادے گی، پیسے اور پستی دور نہیں، ساتھ علم ہو اور عمل ہو
پستی والا اگر بلندی والے پر یقین کرتا ہے، آخر وہی بلندی پاتا ہے
بلندی وہ ہے جو پستی والوں کو معاف کرے اور پستی والوں کو بلندی دکھائے

آج کے زمانے کی بات

آدمی غیرت مند ہوتا ہے تو مسائل سے گھبراتا نہیں ہے
لیکن اگر پانی سر سے اُوپر ہو تو پھر خودکشی کرتا ہے
یعنی آگ نمرود میں خود گرجاتا ہے
آدھا غیرت مند مصیبت سے تو بھاگ جاتا ہے
بے غیرت غیرت والوں کے تلوے چاٹ کر گزارا کر لیتا ہے
صوفی اصلی تین قسموں سے الگ تھلگ ہوتا ہے، کیوں صرف روح سے روح کا رابطہ ہوتا ہے

سوال:۔ فقیر موت سے لڑنے اور ملک الموت اور موت سے واقفیّت ظاہر کرتے ہیں، اُس بات سے فقیر کی کیا مراد یا کیا مطلب ہے؟ یہ جملہ عجیب ہے، اس سوال کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ شکریہ

خیال:۔

موت کو خوش آمدید کرنا، موت کو مات ہے
موت سے بات کرنا، موت کو چماٹ ہے

تشریح:۔ مثال کے طور پر صرف ایک چھوٹے سے صوبیدار (SHO) سے ایک آدمی یہ کہہ دے کہ میں نہ مانو تو یہ اس صوبیدار (SHO) کی ہار ہے، اس سے اُس کا (SHO) ہونا ختم ہو جاتا ہے پھر چاہے وہ اُس گستاخ کو جوتے مارے یا کچھ بھی کرے، بعد میں کچھ بھی نہ ہو گا۔ ایسے ہی موت ہیبت اور خوف کا نام

ہے، کہتے ہیں کہ اگر انسان کو ایک پل پہلے ہوش میں موت نظر آجائے تو ڈر سے اس کا پیشاب بھی نکل سکتا ہے، یعنی موت دیکھ کر وہ نہ پہلے مر سکتا اور نہ ہی بعد میں مر سکتا ہے، کیونکہ موت مقرر وقت پر آتی ہے۔ قصہ ملول ہونا یہ لفظ بھی فقیر موت سے پہلے کہتے ہیں، یعنی اُس دنیا کے لوگوں سے ہم ملیں گے، یہ موت سے لڑائی نہیں، لیکن حق ہے، بس ایسے موت کے بارے میں بتا کر موت سے بے خوف کرنا ہے، جس موت ومال سے اللہ کا ساتھ ہے۔

زندگی میرے پیچھے، موت مجھ سے آگے ہے
میں موت کو محبوب چاہوں زندگی مجھے چاہے

میرا من ہی متر، میرا باہر نہیں متر، نہ میرا کوئی رشتہ بہتر
نام کے متروں کو مسان میں جلاؤں، بھگوان ایسا نہ کر بہتر

ایمان کا وزن ایک ہے، حسنؑ، حسینؑ دو ہیں
قرآن کا وزن ایک ہے، حدیث شریعت دو ہیں
قادر کی کائنات کے کئی وزن ہیں، احد، احمد دو ہیں
اللہ کا کام ایک ہے، ماننے والے، منانے والے اَنگنت ہیں

حسرت بمقابلہ مسرّت

قول1:۔ خواہش۔ حسرت۔ تمنّا۔ مسرّت۔ عشرت چھوڑ تو دین میں ہوئے۔
قول2:۔ ڈر سے آگے ہو کر مر اور خدشے، خطرے کو جھیل تو دنیا میں آگے ہوئے۔

اگر انسان خواہش کرے، ایک قسمت میں رہکر اور دوسری قسمت کے دائرے سے باہر ہو کر خواہش پیدا ہو تو خواہش صرف خواہش ہی رہ جائے گی۔

اگر تیرا چاہنا:۔ ترقی۔ مال۔ دولت۔ دنیا میں عزّت۔ دین میں عزّت۔ مرتبہ اور عہدہ ہے تو اس کے لیئے عمل جدوجہد درکار ہے صرف چاہنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

آدمی راستے سے گزرے بھی اور رہے راستے میں یہ ناممکن ہے، کیونکہ انسان تب تک منزل پر نہیں پہنچ سکتا، جب تک شروعات کی ترقی کی ان راہوں اور ان معاملات سے نہ گزرے۔

جگ ہنسائی سے خود ڈرتے ہو
جگ پر خود ہنس ہنس کر برستے ہو

صلح سے حیثیت سہی ہی ہوتی ہے، سب سے مشوروں سے قسمت بدلتی ہے
سالن کا سواد سما پر آئے، جب انسان کو بھوک لگے، ورنہ صرف زبان ذائقہ بدلتی ہے

مصنف ضامن ہے

واصف علی واصف صاحب: بھائی کو اسکا حصّہ دینا شروع کر دو اور اپنا بھی حصّہ دے دو تو احساس پیدا ہو جائے گا اور درد کی دولت سے آشنائی شروع ہو جائے گی۔

سوال: پاپا، واصف علی واصف صاحب فرما رہے ہیں کہ بھائی کو حصّہ دے دو تو احساس پیدا ہو جائے گا، لیکن اگر انسان میں احساس ہی نہیں ہو گا تو وہ اپنے بھائی کو حصّہ کیسے دے گا۔۔۔؟

جواب: بیٹا جب دے دوگے، یہ عمل کر لوگے تو تمہیں سند مل جائے گی کہ درد کی دولت اور احساس تمہارے پاس موجود ہے، کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی تصدیق (Confirmation) کہیں اور سے آپ کو ملتی ہے، کوئی اور آپ کو صحیح (Confirm) کرتا ہے کہ آپ کے اندر وہ چیز موجود ہے، اب ویسے تو آپ کے اندر احساس اور درد موجود ہے، لیکن جب آپ دے دوگے تو آپ کو عین یقین ہو جائے گا کہ آپ کے اندر یہ چیز موجود ہے۔

قول:

مُلّا وہ ہے جو علم ہوتے ہوئے بے عمل ہو
مُلّا عمل سے مولا ہے، معتبر ہے اگر عامل ہو

سوال: جناب صوفی بزرگ مُلّا کو تنقید کا نشانہ کیوں بناتے ہیں؟

جواب: مُلّا نماز پڑھانے والے یا قرآن پڑھانے والے کو کہتے ہیں، یہ معتبر کام ہے، لیکن اگر وہ معلّم ہو کر بھی عمل میں کوتاہی کرے تو وہ مُلّا ہے۔ مُلّا اس کو کہتے ہیں

جو علم سے عالم بن کر عمل کے وقت جاہلوں کی قطار میں کھڑا ہو جائے، یہ میری سمجھ ہے، ضروری نہیں کہ میری یہ تشریح درست ہو، اس بات کے بارے میں علم وسیع ہے، آپ مجھے معاف کریں اور اللہ بھی مجھے معاف کرے، سلیم صاحب اُمید ہے کہ آپ کو جواب مل گیا ہو گا۔

سوال: جناب یہ عالم یا مولوی حضرات منبر پر بیٹھ کر، چیخ چیخ کر تیز آواز میں وعظ کرتے ہیں، یہ درست ہے یا غلط ہے ؟۔

جواب: محترم جناب محمد اسلم گزارش یہ ہے کہ ہم اپنے قول سے کسی کو تنقید کا نشانہ نہیں بناتے، سب صحیح ہے، ہر کوئی صحیح ہے، حق ہے پر جواب دینا میرا فرض بنتا ہے تو میں قناعت صرف یہ کہوں گا کہ آپ ناچنے والوں سے پوچھو کہ وہ کیوں ناچ رہے ہیں اور ناچ میں کیا فائدہ ہے، تو آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔

یہ دنیا والے تمہارے دُکھ کے تخمینے لگاتے ہیں
تیرے ساتھ مل کر تعیّن نہیں کرتے کہ غم کہاں سے آتے ہیں

تالے لگا دیتے ہو کسی کے محبوب بننے کے شوق میں شاکرؔ
پہلے خود سے محبت کرلو، پھر کائنات تیری محبوب بن جائے گی

اللہ کے کام اللہ ہی جانے!

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ پانی میں ایک بِچّھو ڈوب رہا تھا تو ایک سادھو سا اچھا شخص اسے بچا رہا تھا، اب جیسے ہی وہ شخص اُسے بچا کر کنارے تک لے آتا ہے تو وہ بِچّھو اُسے کاٹ لیتا اور پانی میں واپس گر جاتا ہے، وہ شخص پھر سے اسے اٹھاتا اور اُوپر لے کر آتا ہے اور وہ پھر سے اُسے کاٹتا ہے تو ایک راہ گیر نے یہ سب دیکھا اور کہا کہ تم کیوں اُسے بچا رہے ہو؟ تو اس شخص نے کہا کہ اس بِچّھو کا کام کاٹنا ہے اور میرا کام بچانا، وہ اپنا کام کر رہا ہے اور میں اپنا کام کر رہا ہوں!

اب یہ تو ہو گئی کتابی بات، لیکن میں اس کو دوسرے طریقے سے سمجھاتا ہوں کہ جب وہ بِچّھو ڈوبنا ہی چاہ رہا ہے تو تُو کیوں مداخلت کر رہا ہے، اُس شخص کا کیا کام کہ وہ ولی اللہ بن جائے اور بِچّھو کا ڈنگ کھاتا رہے؟ اور نہ ہی مجھے یہ بات صحیح لگتی ہے، کیونکہ بِچّھو کے تو پہلے ہی ڈنگ میں آدمی کی حالت خراب ہو جاتی ہے، وہ دوسری بار کوشش کیسے کرے گا؟ یہ بات اصلی نہیں لگ رہی، لیکن یہ حکایت ہے کہ وہ ڈوبنا خود چاہ رہا ہے تو تُو کیوں مداخلت کر رہا ہے؟ کچھ کام اللہ پر چھوڑ دینے چاہئیں، کس کو ڈبانا ہے، کس کو بچانا ہے، یہ سب اس ہی کے کام ہیں، انسان کے بس میں صرف کوشش کرنا ہے، وہ اس نے کر لی، پھر اگر یہ حالات ہوں تو اسے اللہ کی رضا سمجھ کر چھوڑ دینا چاہیے، اپنے اپنے خیال ہیں، اپنے اپنے طرز کے لوگوں نے گناہ، ثواب کے پیمانے بنا رکھے ہیں، کوئی بِچّھو کو بھی مرنے سے بچانے میں ثواب سمجھتا ہے، کوئی مارنا ثواب سمجھتا ہے، یہ ایک سوچ بھی ہے، اس طرح اس تصوّر میں ایک انسان کی سوچ ہے کہ اُڑتی ہوئی فاختہ کا مزید خیال رکھا جائے اور کسی سانپ، سوّر اور وحشی جانور کا بھی خیال رکھا جائے۔

حکیم کی حکمت

قول:۔ عقل سے حکمت پر حکومت کر، مومن کے حق میں حکم ہے۔

قول:۔ اپنے درد کو لے کر در در نہ پھر، درد تو تیرا درمان ہے، دُکھ، غم، مشکل اور مصیبت کے مسائل سے مل کر تو مرد بنتا ہے، پھر جب درد ملتا ہے تب ہی اللہ ملتا ہے۔

تشریح:۔ مشکل اور مصیبت، یہ دونوں مل کر پھر ایک غم بنتا ہے، غم کے معاملوں میں مصلحت کر کے ہی اللہ پر یقین ہوتا ہے، شاکر اپنا درد ساتھ لے کر در در نہ پھر، یہ درد ہی تو تیرا درمان ہے۔

1۔ آدمی اپنے ذاتی معالج سے دوسرے دن بھی دوبارہ پوچھے اپنے مرض کے بارے میں۔
2۔ طالب علم اپنا سوال پھر دوسرے دن بھی ضرور پوچھے اپنے اُستاد سے۔
3۔ حکیم اپنے مریض کے لیئے دوبارہ اپنی حکمت سے پوچھے۔

تشریح:۔ نفسیاتی علم میں سے انسان جب بھی کوئی سوال سُنتا ہے، اُس کا فوراً عارضی جواب آجاتا ہے اور انسان وہ ہی سوال کا جواب سمجھ بیٹھتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، سوال جو انسان نے اپنے کانوں سے سُنا، وہ دماغ کے شعور میں گیا اور اُسی انسان کے شعوری علم نے جلدی جواب دیا، لیکن شعور میں سوال جانے کے بعد 24 گھنٹوں میں تقریباً بہت دفعہ تبدیل اور بہترین جواب آتے رہتے ہیں، اگر شاگرد اپنے اُستاد سے کل والا سوال آج پھر دہرائے گا تو ضرور بہتر جواب کی تفصیل مل جائے گی، ایسے ہی حکیم یا ڈاکٹر کو مریض نے کل جو اپنا مرض بتایا تھا، وہ پھر آج دہرائے گا تو ضرور کل سے آج علاج کے بارے میں بہتر دوا تجویز ہو سکتی ہے، جو کہ ڈاکٹروں کے اس طرح لاشعور دماغ سے جواب ملتا ہے، پھر وہ مریض اور مرض کے بارے میں

علاج شروع کردے، اس طرح بار بار پوچھنا طالب کے لیئے بھی بہتر ہے اور اُستاد کے لیئے بھی بہتر ہے، کیونکہ استاد کے پاس بھی جوابات کے نکھار ہوتے ہیں اور شاگرد کے سوال کے دوران استاد کو بھی نئے طریقے سے علم حاصل ہوتا ہے۔

دنیا کے حالات کو حال کی آتی جاتی چھائیاں سمجھو
معاشرے کو عکس سمجھو اور خود کو آئینے کی طرح سمجھو

گداز دل میں ہوتا ہے نا کہ دماغ میں، دماغ میں گند، غلاظت ہو سکتی ہے، غم نہیں
دماغ غلط ہے اُس دنیا کے لیئے، دل غافل ہے اِس دنیا کے لیئے
دونوں کی غفلت دور ہو جائے دیانت داری سے، وفاداری کرو دنیا سے

میرا یہ کلام ہو جائے مشہور، یہ تو خواہش ہے، پر یہ بات سوچ سے دور ہے
سرکار کی شان میں لکھا ہے بس، یہ اپنے تک زیر غور رہے تو اندر کا سُرور ہے
اللہ کا کلام لکھ کر داد وصول کرنا نہیں چاہتا، نا ہی ہونا مشہور ہے
شاکرؔ شکور کا شُکر ہے، بس سینے میں شعائیں ہیں، شعور ہے

برابر کی بڑائی تو میری ہے، تیری بڑی بڑائی ہے
دنیاداری میں جو بڑائی ہے، وہ تو لڑائی ہے، وہ کیا بڑائی وہ ہے

ذکر کی سواری

اپنے خیال کو تنقید کی ٹریفک میں نہ پھنساؤ، خیال کے راستے صاف رکھو، خیال میں آنے والی برائی کو ذکر صاف کرتا ہے، ذکر ہی برائی کو کاٹتا ہے، گِلہ کرنے کے خیال کو ذکر کرنے سے موڑ دو، پھر تمہارا خیال دوسرے کی گِلہ کو موڑ دے گا، دماغ ایک ایسی دنیا ہے جس کی باریک راہیں ہیں اور سُکڑے ہوئے راستے اور روڈ ہیں اور تہمت کے چوک، الزام کے شہر، جھوٹ کے ہمراہی ہیں، تُو ایمان کی گاڑی میں بیٹھ کر سچ کے روڈ پر یقین کے ڈرائیور کے ساتھ خیالوں کے پگڈنڈیوں اور تصوّر کے گاؤں سے گزرتے ہوئے، غلط خیال کی ٹریفک سے بچ کر بحث کے ٹرک کو کراس کر کے، غلیظ خیال کی گاڑیوں کو پاس کروادے، جیسے تمہاری گاڑی جام نہ ہو اور کسی اور کی گاڑی کو نہ روکو، اچھی، خراب، بڑی بہترین اور صاف، سب گاڑیوں کو گزرنے دو یا خود اپنی رفتار کے مطابق اُن کے پاس سے گزر جاؤ۔

لذّت کے سوا کھانا، بغیر مزے کا موسم، بن بادل برسات اور گرم سورج تمہاری گاڑی کے راستے خشک راستے اور پیاسے ریگستان اور کٹھن راہیں حق کے پہاڑ پر چڑھائی اور نوکدار گھاٹیاں، اُجڑے ہوئے درخت، خشک سالی سے متاثر بے نور پودے اور گھاس ہی راستے میں آئیں گے، گلستان کی تمنّا، ہریالی کی خواہش، سرسبزی کی آرزو، خوشبو کی امید، امن کی تلاش، پیار سے پیاس بجھانے کی جستجو، منزل ملنے کی سوچ اور راحت کے آسرے پر ہر کڑی تنقید اور آزمائش سے گزرتے ہوئے زندگی گزارنی ہے، ہو سکتا ہے کہ منزل ملے یا ہو سکتا ہے کہ منزل نہ بھی ملے، اس ساری سوچ سے بے نیاز ہو کر سچ کا سفر جاری رکھنا ہے، بس رہبر کی رہنمائی، ہادی کی دوستی،

مرشد کی بھلائی اور ماں باپ کی دُعاؤں کے سہارے چلنا ہے اور من میں مولا کی یاد کے ذکر کا دِیا جلانا ہے۔

کون کہتا ہے کہ دنیا موت سے ڈرتی ہے، دنیا کی دلیری تو دیکھ ---عام روڈ پر گاڑیاں ٹکرانے کی کوشش کرتی ہیں، یہ تو فرشتہ بچ بچا کرواتا ہے۔

صرف میری نظر میں ہے (تصوّف)

خیال: تصوّف تبدیلی کا علم ہے، ہر نئے دور کا پیام ہے، تصوّف کے علم سے جہاں، جیسے، ویسے، کیسے بھی، یہاں وہاں مندر، مسجد، گرجا، ہر جا ظہور اُس کا ہے، جہاں سے بھی اللہ مل جائے، اُس کو تصوّف کہتے ہیں اور جہاں، جیسے بھی، جس صورت میں بھی اللہ مل جائے تو معاشرے سے نہ ڈر اور کھڑا ہو جا تجھے اپنے حصّے میں آئے اللہ کو دیکھ کر یا مان کر بس جو کھڑا ہو جائے، اُسے صوفی کا نام دیا جاتا ہے۔

دنیا میں داتا نے بھیجا ہم کو دلیری کے لیئے!

خیال: دنیا دھوکا، دنیا دوائی، دنیا دغا، دنیا دانائی بھی ہے، دنیا میں لوگوں کے دھوکے اور دغا سے دوچار ہونے سے بہتر ہے کہ اُس دُھوکے اور دغا کی دوائی بنا کر دل میں درد بنالو، جیسے محاورہ ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹے اور زہر سے زہر کا علاج، دنیا میں یہی حکمت ہے اور کیمیا گری ہے، دنیا میں دُھوکے، دغا، دُکھ، غم اور بے وفائی ہے، دنیا کا دُکھ دینے کا دستور ہے اور اِس میں انسان خود بھی شامل ہے، جب دنیا میں رہنے کا دستور ہی دُھوکا کھانے کا ہے، تو پھر انسان کمزور کیوں رہے، مضبوط بنے اور ایسے دُکھ، غم کو ہی استعمال کر کے سینے کی طاقت حاصل کرے۔

زمانے کی بات

سوال 1: زمانے، عہد، انقلاب، رسول اور نبی کی وضاحت ملے تو؟

(1) گزراہوازمانہ (2) چلتاہوازمانہ (3) اور آنے والا وقت بھی زمانہ ہے۔

جواب: اللہ نے سورۃ عصر میں قسم کھائی ہے زمانے کی، یہ ٹوٹل آگے پچھلے آنے والے زمانوں کی بات کی ہے، فرمایازمانے کی قسم تواس کامطلب ٹوٹل زمانہ ہے۔

مثال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو سال بعد حضرت محمدﷺ آئے، یہ ایک زمانابدلا، اس کو ہم لفظوں میں کہیں گے، نبی رسول کازمانہ یعنی جو زمانہ گزر رہا ہے۔

سوال 2: عہد کیاہے؟

جواب: کسی بھی بادشاہ، حکومت، خلافت یاروحانی دور کو عہد کہتے ہیں۔

سوال 3: انقلاب کیاہے؟

جواب: انقلاب کئی اقسام کے ہوتے ہیں، چھوٹے اور بڑے جیسے بڑاانقلاب عیسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد اسلام آیااور خلیفہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے چھوٹے انقلاب تھے، اس طرح کربلا کاواقعہ ایک بڑاانقلاب تھا، جبکہ خلیفہ ہارون کے دور کو عہد کہتے ہیں، مغل بادشاہوں کا دور بھی عہد کہلاتا ہے۔

صرف مجھ تک

خیال:۔ حکمت عملی پر چلنے والے کیوں اپنوں اور پرایوں کے ردِّ عمل سے ڈریں، حکمت عملی کرنے والوں کی اب کیا عمر بچی ہے، جو وہ اپنے اُوپر رد عمل سے خوش ہوں یا ناخوش ہوں؟ اور کیا رد عمل کرنے والوں کی عمر بچی ہے جو وہ حکمت عملی کرنے والوں پر تنقید کی باتیں کر کے انہیں بدنام کریں یا مشہور کریں؟ پھر حکمت عملی کرنے والا جو اپنے اندر اللہ کے حکم سے وہی کرتا ہے جو اُسے سمجھ میں آرہا ہے، وہ کیوں اپنا عمل چھوڑے اور کیوں عمل روکے؟ یہ بزدلی ہے، خوف ہے، انا ہے، مصیبت ہے، مشکل ہے، ایمان میں خلل ہے، بے یقینی ہے، بے عملی ہے، انسانیت نہیں، مذہب نہیں، اسلام نہیں ہے، بلکہ خوف کی وجہ سے خاموش رہنے والوں کی ہی زندگی بے معنیٰ ہے۔

قول:۔ ڈر کی چابی احتیاط ہے، جس چابی سے آپ کے اندر موجود ساری صلاحیتیں اُجاگر ہو جاتی ہیں۔

فتویٰ دینے سے پہلے مفتی، فتویٰ لگنے والوں کو سمجھادو، فتویٰ جیسا زور لگادو
فاتح اور مفتوح کا ایسا فتویٰ دو، دونوں میں فرق ختم کرنے کی طاقت لگادو

مصنف ضامن ہے

شعر:۔

زمانے کے لوگ مجھے، موسم کے سُہانے سپنے دِکھاتے ہیں
لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ میرے اندر کالی گھٹائیں چھائی ہیں

——

تشریح:۔ کسی اور کا درد بانٹنے سے اور اپنے مستقبل کی راہیں ڈھونڈنے میں آسانی ہو گی، خود ہی کی عزّت اس تجربے میں رکھی جائے اور اگر کوئی مندرجہ بالا سبق پر غور و فکر کرے گا تو پتہ چلے گا کہ باہر سے عزّت ملنے کی خواہش عارضی اور جھوٹی ہے اور اس سے جینے کا مقصد ختم ہو جاتا ہے اور آخر میں انسان اپنی عزّت کمانے کے چکر میں پچھتاتا ہے کہ میں نے کیا کیّا، دوسروں سے عزّت کروانے کے چکر میں جو مالک عزّت عطا کرتا ہے، اُس اللہ سے دُور رہا۔

علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ:۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

——

جانا اگر مغرب میں ہے، پھر مشرق کا کیا پوچھوں
جاؤں میں شمال پر، پھر جنوب میں کیا پاؤں

——

خود پر ترس کھاؤں، تو عزّت کروں میں اپنی
ترس کھائے نہ کوئی مجھ پر، کیا غرض سمجھوں میں اپنی

——

مصنف ضامن ہے

قول:۔1

اے طالب علم مجھ سے علم کی طلب کر، میں بھی بے علم ہوں
تیری طلب علم کے سوال سے، میں بھی مطلوب ہو جاؤں

قول:۔2 تیری طلب اور میرے مطلوب رہنے سے تیری طلب ہی ہے جو مجھ سے اللہ تعالیٰ علم کو گزار کر تجھے دیتا ہے، تو میں بھی اس علم سے فیض یاب ہو جاتا ہوں، واہ طالب تیری طلب نے میری طلب کو بھی اجاگر کر دیا۔

تشریح:۔ علم دینے کے شوق میں علم دینے والا ایسے فائدے میں رہتا ہے، جیسے شہد کسی بھی برتن میں ڈالو تو برتن شہد سے سرشار ہو جاتا ہے، اگر چمچ سے زبان تک لے آؤ تو چمچ شہد کا ذائقہ چکھ لیتی ہے، جیسے چمچ سے ہونٹوں تک اور زبان سے حلق تک کھانے کی نالی سے رگوں اور رگوں سے خون کے ہر خلیے تک ہر چیز شہد سے فیض یاب ہو جاتی ہے، اس طرح ایک طالب کے سوال پوچھنے سے دوسرے طالب علم کے سب جواب آجاتے ہیں، یعنی ایک طالب علم کے سوال پوچھنے سے سب کا جواب آجاتا ہے، اس کے بعد ایک مرشد سب طالب علموں کے سوالوں سے، سب کے علم کی تحقیق سے درجات طے کرتے ہوئے آخر حدیث و قرآن میں ضم ہو جاتا ہے، جیسے قطرہ قطرہ پانی جمع ہو کر دریا اور دریا سے سمندر اور سمندر سے ہی اُٹھے ہوئے بادلوں سے برساہوا پانی پھر سمندر میں گرتا ہے اور قطرہ قلزم بن جاتا ہے۔

پروردگار

پرور کے سب پرندے، پروں سے دُعا کرتے ہیں
پرندے پروں سے ہی دُعا پرور سے مانگتے ہیں
پرور کی ہر شاخ کے پتّے، پرور کا پتہ بتاتے ہیں
پرور کے سب حیوان اپنی زبان میں، پرور کی آذان دیتے ہیں
پتہ نہیں کیوں انسان ہی آذان پر، فقط لبیک نہ کہتے ہیں

تنقیدی پر کوئی کیا کرے تنقید، وتردید سے ہو خود میں چھید
تنقیدی سے کیا بعید، اُمید نہ انھیں، یہ فائق کا بھید

قول1:۔ حسرت سے ہو دور فطرت پر ہو غور، پھر شاکر شعور پر ہو عبور۔

قول2:۔ دینے کے لیئے اگر دولت ہے تو ایک دم میں ایک کام کرو، ہاتھ سے روشن دیّا کرو اور ساتھ میں دولت دیتے چلو۔

قول3:۔ سانپ کی جھاڑ اور وحشی کی دھاڑ انسان کو فلاح کی طرف بھگاتی ہیں، اپنی بولی سے، مرغے کی آذان سے، کوئل کی کُو کُو سے انسان کو فلاح کی طرف بلاتے ہیں۔

خیال4:۔ مشکل کا حل مشقت ہے، مصیبت کا مشورے میں حل ہے، اگر مرض کا حل دوا ہے تو پھر سب مسائل کا حل دُعا دل سے ہے۔

خیال5:۔ قطرہ کا کُل سمندر ہے، آنکھ کی پُتلی نور کا قطرہ ہے، محمدؐ قلزم ہے، اللہ قُلزموں کا قُلزم ہے، ایسے ہی ہدایت کا قطرہ آئینہ ہے اور ہادی کُل کائنات ہے، جب آئینہ بے جان ہو کر اتنا کام کرتا ہے تو محمدؐ کا فیض ہو، علیؑ استاد ہادی ہو تو کیا اور کتنا بڑا فیض ملے؟۔

شاکر ضامن ہے

خیال:۔1

فراق اور فراخ میں فرق کتنا ہے شاکرؔ
فراق سے اگر وصل ہونا ہے تو فراخ دل کو کر

خیال:۔2

دنیا میں بے شمار فرقے ہیں، تُو کیسے ان کو گِنے گا
گنتے گنتے ہلاک ہوجائے گا، بس اپنا راستہ چُن

خیال:۔3

خدا کو اپنے اندر میں ڈھونڈ، باہر تو ہے گونا گوں
رہبر سے پوچھ کیسے ملے، تیرے من میں مولا ہے، یہ بتائے اور کون

خیال:۔4

فرق میں بھی فائق، فلق میں بھی فائق، فرقے میں کیوں خلق ہے
فرق کرنے میں فائق نہیں، اصل میں یہ فرق ہے

خیال:۔5

فرقے کا فرق اگر کرنا ہے تو پھر پوری دنیا کے فرقے گِن
فرق صرف اتنا ہے کہ تُو اپنا خدا ڈھونڈ، کس فرقے سے ملے، وہ چُن

تشریح:۔ فرقے کا فرق اگر کرنا ہے تو پوری دنیا کے فرقے کو گِن، پوری دنیا میں اَن گنت فرقے ہیں اور یہ اَن گنت فرقے گِنتے گِنتے خود ہلاک ہو جائے گا، اس سے بہتر ہے کہ اپنے اندر میں فرق لے کے آ، تاکہ تُو فرقے کے فرق کر، جو جیسے چاہے، ویسے ہی اللہ کو یاد کرے، لیکن جب آدمی اللہ کے حضور جائے تو خاص لباس پہنے، جس میں شریعت زیب تن ہو اور ادب آداب سے جُھک کر مرشد کی ضامن گیری میں پیش ہو، یہ فرق ضرور ہو۔

وظائف تو صفائی کے جھاڑو ہیں سینے کے
تمنّا، آرزو، حسرت، مسرت لینے کے الگ کام اور نام ہیں عمل کرنے کے
وظائف علم ہے، عمل منزل ہے، تمنّا، حسرت، خواہش، یہ راستے ہیں منزل کے

دل میں بھی کثیر دانا ہیں، سب دانائیوں سے پوچھ یہ اکسیر ہو گا
دل کا بھی دل ہے، دل کی بھی آنکھ ہے، اُسے بھی دیکھ، دل کے بھی کان ہیں، سُنے گا تو یہ بصیر ہو گا
دل کے دام ہیں، یہ ذکر و فکر، دم، دم کے، دام دینے سے ہی یہ عمل دائم ہو گا

اے انسان اللہ کو سب معلوم ہے، تُو زندگی میں کہاں کہاں جائے گا، کیسے آئے گا، کیا پائے گا؟ اس لیئے اپنا نصیب بنا ایسے جو اللہ چاہے، عہد کر تُو وہ بھی چاہے گا، قادر کی قدرت کے یہ راز ہیں، تُو بس یہ رمز جان کہ قدیر سے تقدیر بدلو اگر خلق کو خلیل بنا!!!۔

سیان کی بات

مصیبت اور حکمت، ایک سکّے کے دو نام
دُکھ غم اور عقل، ایک سکّے کے دو نام
جدوجہد اور فتح، ایک سکّے کے دو نام
بے خوفی اور منزل، ایک سکّے کے دو نام
شاکرؔ بندہ اور شکور مولا، رفاقت کے کئی نام

زمانے کی ہر بات غلط اور غلاظت لگتی ہے
زمانے میں اگر رہنا ہی ہے تو سب سہی ہی ہے
اپنے کو ہی ہے سمجھانا، جلانا یا بہلانا، بات دو ہی ہے
زمانے کی غلطی کو ہم کیوں یاد کریں، یاد ہم وہ کریں جو سہی ہے
زمانے میں کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا؟، ہوتا رہے جو بھی ہے

قول:۔ تم اگر خیال اور گمان کو کسی کے بارے میں گھماؤ گے، تو وہ بھی اپنے گمان کو تیرے گمان کی طرح تیرے واسطے اپنا خیال گھمائے گا۔

خیال 1:۔ ہادی سے ہدایت لینے سے پہلے ہادی مرشد کے بارے میں کچھ اگر تم پرکھنا چاہتے ہو تو پہلے خود کو پرکھو، اگر نہ پرکھ سکو تو یہ رِسک (Risk) ضرور اُٹھاؤ کہ ہادی مرشد سے اپنے بارے میں معلوم کرواؤ کہ میں کیسا ہوں، سچا ہوں یا صرف نقلی خواہش ہے؟ یہ اپنی اپنی ذات کی بات ہے، پرکھو خود کو خدا کے سہارے، ورنہ پرکھاؤ مرشد کے سہارے۔

خیال 2:۔ جگہ میں جگہ جگہ دروازے پٹختے ہو تبلیغ کے نام پر، پہلے اپنے آپ کو سمجھاؤ اور جہان میں اپنی عزّت، اپنی حیثیت کی راحت کی حرارت کو محسوس کرو، پھر سمجھ میں آئے کہ تُو کیا ہے!!!۔

خیال 3:۔

تن تیرا رہے گا اور رہا بھی ہے، پر تجھے معلوم نہ ہوسکا
تنہائی میں روح نہیں تھی، نہ پہلے کبھی، ناکہ اب ہے، یہ تجھے معلوم نہ ہوسکا

شاکر شکر کرے گا، اگر تُو شکور کا
مخلوق ہوگی مشکور تیری، مشہور ملک میں ہوگا پھر تُو

غلطی کے بیج بو کر، کھرا کاشتکار نہ بن
سچ کے ویرانے کے باغ کا، مالی بہتر بن

مصنف ضامن ہے

خود ساختہ ہائجنٹری کی محفل میں وہ جاتے ہیں جو اندر سے خود ساختہ ہائجنٹری نہیں ہوتے، جن کے پاس یہ ہائجنٹری آتے ہیں، وہ بھی اندر سے ہائجنٹری نہیں ہوتے، وہ اہل دل ہوتے ہیں جو اہل دلوں کے پاس ہی جاتے ہیں، وہ اہل دل ہیں تو ان کے پاس اہل دل ہی آتے ہیں۔

قول:۔ فخر فقیری میں، یہ فقر کا دستور نہیں ہوتا۔

قول:۔ طاقت ایک مضبوط لوہے کی مانند ہے۔

وقت کی بَھٹّی میں تپ تپ کر، آدمی وزن میں ضرور پہلے سے کم ہو جاتا ہے
دانا لوگ وقت کے لوہے کو اچھی طرح استعمال کر کے عمارت بنالیتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ جب انسان میں طاقت آجائے تو غریبوں اور مفسلوں پر رحم کرے اور دل میں اللہ کو بٹھانے سے زندگی لوہے کی مضبوط عمارت بن جاتی ہے، ورنہ ایسے بیکار پڑا لوہا پڑتے پڑتے ختم ہو جاتا ہے یعنی کہ اگر آدمی صرف دنیا و دولت کے حصول میں لگا رہے، تو وہ لوہے جیسا آدمی معذور اور بیکار ہو جاتا ہے۔ پھر ایک دن وہ مضبوط لوہے کی طاقتور عمارت کم وزن اور کمزور ہو کر گر جاتی ہے، اور اس مضبوط عمارت کے نیچے آپ کے ساتھ اوروں کو بھی دبنا پڑتا ہے۔

یہ بھی کمال کی بات ہے، کمال کو بھی زوال ہے
یہ بھی زوال کی ہی بات ہے، آج جو حال ہے، وہ گزرا ماضی ہے

مصنف ضامن ہے

قول:- کسی فلاسفر نیک آدمی کا:-

اگر کوئی مسئلہ خود دل و دماغ سے اندر ہی اندر حل ہو جائے تو اُس شخص کو اتنی خوشی ہو گی، جتنا سہاگ رات میں مزہ آتا ہے" میں مصنف یہ تصدیق کرتا ہوں کہ یہ مقولہ نیک شخص کا ہی نہیں پر آسمان کا ہے، وہ درست فرماتے ہیں، واقعی جب علم کا راز عیاں ہوتا ہے تو آدمی دنیا میں ہی مزہ لیتا ہے۔

نیکی ملنے ملانے کے بیچ کھڑا ہے، وہ بھی مسلمان ہے، یہ کہہ سکتے ہو
نیکی کرنے سے ملتی ہے ٹیک، ٹیک اگر دے سکتے ہو ٹیک عمل ہی سے کچھ دے سکتے ہو

سوچ کر نیکی ملے، نیکی پر اکسانے کی طرز آتی ہے تجھے
قربانی سے ہی ہے جہاں اور اُس دنیا میں بھی قربانی درکار ہے تجھے

ہوتا ہے یہ طرز زندگی میں، کچھ حاصل ملنے ملانے میں
کرنا ہی پڑتا ہے، سوچنا بھی ٹھیک ہے مگر دینے دلانے کے بغیر کیا ملانے میں

عشق ایک طرف ہونے کی سوچتا ہے، دونوں کو خبر ہو تو بھی ملنا ہے
ایک طرف عشق ہو یا دونوں طرف، اگر ہو بھی تو پھر بھی ملنا ہے
عشق وہ قائم دائم رہتا ہے، جس میں فراق ہی فراق ہو، یہ بھی عشق کا ملنا ہے

معلومات

مغالطہ اور مُبالغہ میں فرق کتنا ہے شاکرؔ
مغالطہ کروائے انسان سے شیطان، مُبالغہ کرے خود انسان
مُغالطہ یہ ہے کہ فرض دنیا کے پورے کرکے پھر میں مروں گا
مُبالغہ یہ ہے کہ فرض پورا کرے گا وقت اپنے پر موت کا فرشتہ، نہیں مروں گا، تب تک میں جیئوں گا

نفس کا جس پر وار، وہ شخص نہ کسی کا یار
پھر وہ نفسی یار، تم پر بھی کرے نفس کا وار

قول1:۔

ذکر اللہ سے راستہ کُھلتا ہے، ذکر فکر سے حکمت آتی ہے
حکمت سے بھی قسمت بدلتی ہے، اندر میں ایک چمک سی آتی ہے

قول2:۔ فکر آدھی حکمت ہے، عمل کرنے سے پوری حکمت آجاتی ہے، حکمت سے آدھی قسمت پر عبور ہو جاتا ہے، حکمت پر عمل سے پوری قسمت بدل جاتی ہے۔

خیال:۔ عمل والے بھی بے عمل بن جاتے ہیں، بے عمل کو منانے کے چکر میں منانے والوں کے اپنے اعمال بھی رُک جاتے ہیں، پھر بھی اگر مناؤ گے تم، پھر بے عمل مانیں یا نہ مانیں، یہ الگ بات ہے اور یہ الگ کام ہے، لیکن پہلے سے تم جو حکمت پر عمل کر رہے تھے، تم اُس سے بھی جاؤ گے، کیونکہ کوّا ہنس کی چال چلتے چلتے اپنی چال بھی بھول جاتا ہے، یہ بڑا رِسک (Risk) ہے۔

مصنف ضامن ہے

اقوال:۔

کسی کو محبوب رکھنا میری خواہش تھی جو پوری ہو گئی اور کئی محبوب ہو گئے
اب اس خواہش کا منوں وزن کاندھے پر اُٹھائے پھر رہا ہوں
دَر دَر جانے کا بھی دل کرتا ہے بھیک کے لیئے، شاید مجھے بھی کوئی محبوب بنالے

کرتا رہے گا اللہ ہم پر مہربانی، مجھے بھی شرم آنی ہے ایک دن اللہ سے
اُس کی ہاں میں ہاں کرو تو، اللہ کا کام بھی تیرا ہو جائے گا شاکرؔ

دیکھ یہ نظارا کسی فقیر کے آستانے سے
وہ ہو یا نہ ہو، مدفون کے مزار پر رونق دیکھ

شاعر شعر کہہ کر ایک پوری کتاب کو سمو دیتا ہے
قول وہ ہے جو زندگی کے عمل کو سمو دیتا ہے

مانگنے والے آسانی تو ڈھونڈ لیتے ہیں لیکن
یہ آسانی کا سکّہ بار بار کھو جاتا ہے، پھر ڈھونڈو پھر ڈھونڈو

سبب نہ بن شرمندگی کا، نہ خود کے لیئے، نہ اوروں کے لیئے
اپنے اندر ہی فخر کرو گے ظاہر نہیں، تو باہر فخر تجھ پر اور کریں گے

اندر کی بات

خوشی گلے کے اُوپر ہنسی کا نام ہے
راحت ہمیشہ قلب میں سکون کا نام ہے
خوشی عارضی آسکتی ہے، ایسے ہی جا سکتی ہے
راحت دینے سے آتی ہے، کسی سے کچھ لینے سے چلی جاتی ہے

ذرہ بھی دُکھ کا باعث بنو گے تم کسی کے لیئے
نہ بچوگے درد سے اور باعث خود بنو گے اس درد کے لیئے
صلہ رحمی، صلہ ماں سے جو کرتے ہو، وہ کبھی تو کر اگر باپ بھی ہے
ماں نے تو رِحم میں رکھ کر سکھایا، رحم کرنا مخلوق کے لیے

سوال کرنے کی تمنّا ہے تو پھر سُننے کے کان بھی رکھ
جواب سمجھ میں آ جائے تو عمل کرنے کا عہد رکھ، مرشد پر ایمان بھی رکھ
سوالوں کے ذریعے پر کھا نہیں جاتا، عمل دیکھ پھر عمل تُو بھی کر کے دیکھ
دماغ کو دل کا تابع بناؤ تو سوالوں کے جواب شکور سے ملیں، یہ شاکرؔ سے سیکھ

دانے چگنے کی جلد نہ کر، دانائی سے کام لے ضرور دے گا داتا دانا
دانا چگتے وقت یہ ضرور دیکھنا، دانے میں دَغا دُھوکا نہ ہو، صرف ایمان کا دانا چگنا

موڈ ہو تو ڈھونڈ!

اپنے حصّے کے دُکھ کے بدلے سُکھ نہ ڈھونڈ
دُکھ کے بعد ہی سُکھ ہے، ترتیب خراب کرنے کی ترکیب نہ ڈھونڈ
اپنے دُکھ دور کرنے کے موقعے تلاش کرتے، سُکھ گنوانا تیری طرف ڈھونڈ
شُکر کرنے کے شاکرِ شکور کے، بے حد موقعے ڈھونڈ
موقع تُو خود بن جائے گا، پھر سُکھ کا رخ تیری طرف ڈھونڈ
پہلو بدل کر دیکھ نظر گھما کر، پرکھ سے شُکر کے وقت ڈھونڈ
ڈھونڈ شُکرانے کے اشارے، ورنہ موت تو لے گی تجھے ڈھونڈ

بنا ہدایت کے زندگی ہوتی کبھی اگر
گناہ و ثواب کا پتہ چل جائے کبھی اگر
نفع و نقصان کا پتہ چل جائے تجھے اگر
توفیق اُن کو مل جاتی ہے، جنہیں آ جائے کرنا ذکر فکر، بس شُکر

کون کہتا ہے ماں کے جانے کے بعد دُعا کے دروازے بند ہو جاتے ہیں
اگر ماں سے محبت ہو تو کئی دروازے وہاں کے کُھل جاتے ہیں

وحدانیت

حق میں کیا مسلک، خلق سے عدل کرنے کا مسلک کو حکم آئے
سائل کسی بھی بات کا ہو، خالی نہ جائے، حلق سے ناحق نہ ہو جائے
گھایل کر دیتے ہیں کسی کے عقیدے کو چھیڑ کر، اپنے دل کا کسی اور کے دماغ سے فرقہ نہ کرائے
مائل اپنے من کو کر و محبت کے، جو کسی بھی فرقے سے تیرے دماغ کا چرخہ نہ گھمائے

لکھنے والوں کو فتووں میں اُلجھاتے ہیں لوگ
سچ سُنانے والوں کو تہمتوں سے نوازتے ہیں لوگ

پروانے تو پروانے ہیں، چاہے شمع کہاں بھی جلے
عقیدوں کو فرقہ واریت کہنے والوں سے عرض کہ، خدا سے ملو جہاں ملے

دنیا میں کئی کئی دفعہ ملتا ہے پر رُتبہ بھول جاتا ہے انسان
دنیا کے دستور بدل جاتے ہیں، وقت بدلنے پر آدمی کا بدل جاتا ہے ایمان

کاش کہ ایسا مقام مل جائے
مقامِ محمود والوں سے، تصوّر میں ہی بات ہو جائے

"ق" کا مطلب

یہ راز عام نہیں کہ قناعت سے، قدرت کے ذریعے قادر کا دیا دے دیتے ہیں
قرینے سے قناعت کر کے فقیر، قادر کی قدرت سے غریب کو دلا دیتے ہیں
اندر ہی اندر سخاوت کا بازار سجا لیتے ہیں، بغیر عوض دولت دی ہوئی قدرت کی بہا دیتے ہیں

اللہ کے ظہور کے نظارے وہ ہی دیکھتے ہیں، جن کو وہ دکھانا چاہے
ورنہ کوئی لہر سمندر پر ہوتی اور سورج آسمان دیکھتی ہے، کوئی قطرہ پانی کی تہہ میں ہی، رہتا ہے عمر ساری

جب سے تیرا بندہ ہوا ہوں، آواز دل کی سنتا ہوں، دماغ کی کم سُنتا ہوں
ثمر لیا تو جاتا ہے، اب دنیا میں دیا نہیں جاتا، دے دے تُو ہی حوصلہ، خطا اگر اوسان خطا ہو جاتا ہوں

بظاہر نظارے ہوتے ہیں، دنیا کے کام کرنے والے انسان کو
یہ اُس کو ہی پتہ ہوتا ہے، آسمان دکھتا ہے یا نہیں، سواد کھانے کا جیسے اُس انسان کو

دے گا تیرے دماغ میں وہ علم اگر، تُو بھی کسی کو دے، دے گا شاکر وہ تجھے
ورنہ جمع کر کے علم اپنے مغز میں، بدبو ہی دنیا میں پھیلا دو گے، کون کہے گا تجھے

عاشق ظاہری میں دیوانہ وار ہوتے ہیں، لیکن وہ اللہ کے ہوتے ہیں
دنیا کے عاشق پاگل ظاہری بھی اندر سے بھی، واللہ وہ انسان ہوتے ہیں

وصف سے واقفیت

وقف اور وصف میں فرق کتنا ہے، یہ بتا شاکرؔ
وقف اور وصف میں فرق کچھ نہیں، وقت ہو اگر
وصف والا ہی وقف کرتا ہے، پھر وصف والوں کا بنتا ہے ساغر
وقف وصف بڑی بات ہے نہ وقت دیکھے نہ اگر مگر

خطرے اور قطرے میں کتنے ہیں فرق شاکرؔ
قطرے بڑھ بڑھ کر تالاب بن جاتے ہیں، خدشے بڑھ بڑھ کر خطرے بن جاتے ہیں

جھولی تو پھیلائی جلال کو مگر، چھید والی جھولی میں اعمال نامہ چھن کر ہی ملے گا
جھولی کو کوئی بولی نہیں ہوتی، واحد اگر جھولی کے چھید نہ بھی دیکھے، احمد شاہد چھید دیکھے گا

مُلّا اور ملک الموت میں کوئی فرق نہیں شاکرؔ
مُلّا مال نکالتا ہے مروّت سے اور ملائک جان نکالتا ہے

رمز اللہ کی سن سمجھ تو شاکرؔ، اس لیے مخلوق اعلیٰ ہے تو
راجہ ہو تو کوئی رقیب بھی ہو، تب بھی فیصلہ بھلائی کا کرے گا تو

اچھی بات

قسمت اور محنت میں لڑائی کا کافی زور شور ہے
محنت صرف دِکھانے کی سَند ہے، قسمت سے کافی دور ہے
تقدیر مقدر بھاگ، تین نام کے ایک ہی کام اور عزّت کے نزدیک ہے
محنت مزدور کی دیکھ اور پھر بھاگ سیٹھ کی دیکھ، یہ پرکھ ضرور ہے

اپنی اوقات دیکھ، ساعت دیکھ، مانگنے والے مالک سے ادا سیکھ
اللہ کہنا سدا سیکھ، پھر اپنے اُوپر احد، احمد کی عطا دیکھ

حرص کسی اور پر یہ مرض ہے، خود پر حرص ایک فرض ہے
قرض دنیا سے حرص ہے، اللہ سے قرض لینا ہی فرض ہے
ارض بھی قرض ہے، دنیا کا عام مرض ہے، ہر آدمی بنا فرض ہے
غرض بھی بڑا عارضہ ہے، بے فرض بندہ غفار کا منظور نظر ہے
ناراض ہوئے بنا منانے، ماننا کی معنٰی سمجھ میں آنا محض ہے

لاپروائی اور بے پروائی کی شاکرؔ کیا معنٰی ہوئی
لاپروائی دنیا والوں سے بے وفائی، یعنی کہ خود سے نا آشنا ہونا ہوئی
بے پروائی ہے بے خوفی دنیا سے اور اپنے آپ سے شناسائی ہوئی

مصنف ضامن ہے

باپ کی شفقت کی ماپ نہیں ہوتی، ماپ کرنا پاپ ہے
باپ صاحب ہے، باپ محبوب ہے، تیرے سب سبب و اسباب ہے
باپ کا بڑا باب ہے، باپ نواب ہے، باپ نام ثواب ہے
باپ تعبیر خواب ہے، باپ تیرا حجاب ہے، باپ کا رشتہ لاجواب ہے
باپ اولاد کے لیئے نایاب ہے، جس اولاد نے یہ سمجھا، وہ کامیاب ہے

خیال

فیض اور حیض میں فرق کتنا ہے شاکرؔ
فیض مل جائے تجھے اور تُو نہ دے کسے اگر، تو یہ عمل حیض ہوگا آخر
فیض محض لینے کا نام نہیں، یہ آگے دینے کا ہی کام، تُو آگے کر
فیض کو محض اپنی عقل نہ سمجھنا، تُو جاکر فیض دو اور نہ کرنا اگر مگر

دماغ کے پہلو بدلے تو کئی داغ نظر آئے، کوئی علاج سمجھ میں نہ آیا
دل کے دروازے کھولے تو دماغ کے داغ کی دوا بھی ملی، دنیا کے درد کی مرہم بھی لے آیا

باہر کا ہنگامہ روکنا حاکموں کا کام ہے، تُو اپنے اندر کا ہنگامہ روک
قادر کی فطرت کا نہ بدلنا یہ اس کی قدرت ہے، تُو بس اس سے فضل مانگ دوٹوک

مصنف ضامن ہے

علم سے عالم میں امن پھیلادے، ناکہ علم سے ہو اکڑ
علم لے کر عالَم سے آلم میں لڑائی نہ لڑ
علم کا عمل یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی اور محمدؐ کی شان کرنے سے جُڑ
علم سے عالَم میں اے آدم، اندر ہی اندر اپنے نفس سے لڑ
علم تو باہر شاخ ہے اور اپنے اندر دل کی جڑ
علم اللہ کے کرم سے جو ہر پھل عطا ہوا ہے، اس پر نہ کر بڑبڑ
علم کو مرغوں کی طرح نہ لڑاؤ اور عالموں سے نہ بِھڑ

قول:۔

علم سے اڑیل بندے کے پاؤں کی زنجیر بناؤ
علم کو کسی اور کے گلے میں باندھنے کے لیئے زنجیر نہ بناؤ

علم کو اپنے لیئے اپنے پاؤں کی زنجیر بناؤ
علم اڑیل کے زبان پر زنجیر ہے، عمل علم پر ہے چھاؤں
علم کو عَالم میں عالِم بن کر کسی کے گلے کی زنجیر نہ بناؤ
آلم میں شاکرؔ علم ہے، عمل سے آلم اور عالِم کے بیچ نبھاؤ

نصیحت

زبان پر ضبط کی گرفت رکھو، جُھکنے والوں سے جُھکو، بزدلوں کو جُھکنے نہ دو
زبان میں اپنے ضمیر کو، کبھی بھی تم بکنے نہ دو
عالم جو فرمائے، وہ عمل کرو، جو وہ عمل کرے، وہ کسی کو سیکھنے نہ دو
ڈر کو دماغ سے نکال کر دل میں چُھپادو، پھر باہر جھانکنے نہ دو
خطرے کو خود پاس جاکر دیکھو، ورنہ خود کو اُسے دیکھنے نہ دو
چور کی ضمانت نہ دو، ضدی کا ضامن نہ بنو، کسی کو امانت اپنے پاس رکھنے نہ دو

تجھے جو درکار ہے، وہ کسی اور کو بھی درکار ہے
صبر کر، تجھے اپنا حصّہ ملے گا، جو تجھے درکار، وہ دیتا سرکار ہے

حکم مجھے قرآن کو دیکھنے کا دیتے ہو، خود خدا کا ذکر فکر نہ کرتے ہو
تم کرو اپنی مرضی اور مجھے گناہ، ثواب کا درس دیتے ہو

رشتے رسم کے رہ گئے ہیں، رشتے دار مرنے پر صرف قُل پڑھنے کے قائل ہو گئے ہیں
مرنے والے کی کیا پروا، رشتہ داروں کو تو رسم پوری کرنے میں ہی اپنے واسطے نظر آتے ہیں

وہ مسلمین ہے، جسے محبت محمد اور سب مرسلین سے ہے
وہ مسلمان ہے جسے مذہب صرف حاصلات کی نیّت سے ہے

مصنف ضامن ہے

پھل میں تُو، پھول میں تُو، پھیلنے میں تُو، بھولنے میں تُو ہے
فاقے میں تُو، روزے میں بھی تُو، افطار، قطار میں تُو، ہوشیار بھی تُو ہے
بیشمار، آبشار تُو ہے، قدیم، دائم، آثار اور سب اختیار بھی تُو ہے

———

قربانی کیا بن قُرب کے، حالات کا متلاشی قُرب کے قریب بھی نہیں جاسکتا ہے
کرَب بن قرار بھی نہیں، انکار سے شاہکار نہیں، سچ کی ایک سطر افکار ہے، بن سچ کے پوری کتاب بیکار ہے
بن قربانی کے فریب ہے، صحبت میں جو قریب نہیں، وہ قُرب کا غریب ہے

———

ساز والے سب سازندے اندر سے خالی ہوتے ہیں، لیکن کلام کو سمجھاتے ہیں
ساز، آواز، کلام گداز سے روح کو راحت ملتی ہے، بس شاکر یہ سمجھاتے ہیں
اگر ساز حرام ہے تو یہ کیوں خالی ہوکر اندر سے بولتے ہیں
تم ساز پر کیوں کھولتے ہو، اتنے ہو تو خالی پیٹ بج کے تو دکھاؤ
خالی ساز بھری آواز، درد گداز، دل من میں سب مل کر، اپنے ہی مَن سے کھیلتے ہیں

———

مصیبت سے پہلے اطلاع ہو جائے، یہ عطا ہے
مشکل حل کرنے کا حساب آجائے، یہ اُس کی ادا ہے

———

اپنے اندر کے ترازو کے کانٹے کو تنبیہ کرنے کو تبلیغ کہتے ہیں
کسی اور کی تنبیہ کو تمیز کہتے ہیں، حرفِ میں بھی، عرفِ عام میں بھی تبلیغ کہتے ہیں

———

مصنف ضامن ہے

راجپوت اپنی ذات میں، نہ خاص ہے، نہ خراب ہے
راجپوت میں یہ خاص خصلت ہے، کہ وفا میں بےحساب ہے
راجپوت اگر ذات ہے، خاص نہ کوئی بات ہے، پھر تو وہ خراب ہے

——

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، کلمہ، سب ارکانوں کا حاصل مطلب توحید ہے
بندہ بدکار بیکار ہو، پھر بھی بخشا جائے گا، اگر رحیم سے اُمید ہے

——

کائنات کا حُسن ہے اور رہے گا
کاش سمجھ کسی کے آ جائے کہ حسینؑ کا نام بھی ساتھ رہے گا
حسنؑ، حسینؑ کا چہرہ اگر دیکھنا ہے تو صورت غریب مسکین کی دیکھ
حسینؑ کی عزّت دیکھنی ہے اگر، پھر محمدؐ، مرسلین کو دیکھ

——

پرور کی بے پروائی کی حدود بیحد ہیں، بڑی بڑائی مجید کی ہے
بدکار ہے، بدکلام، بیکار ہے، لیکن بندے کی بس، بڑی بڑائی اُمید میں ہے

——

مسلک کے مصالحے بنا بناکر، دین کو چڑچڑا کردیا ہے مسلمین نے
چرچا ہے چاروں طرف اور سنسار اپنی ہی رسوائی کرادی، فرقے کے فرق کرکے مسلمین نے

——

مصنف ضامن ہے

انسانی کیفیت ہو جاتی ہے، بنانے سے نہیں بنتی
بے خودی کی قدر ہو جاتی ہے، کرانے سے نہیں بنتی

—

اختیار تجھے دیا ہے صرف تیرے سمجھنے سمجھانے کے لیئے
اختیار کرنے یا نہ کروانے کی ڈوری کسی اور کے پاس ہے

—

گھر کے فرد کو سیدھا سچ کہہ بھی نہیں سکتے، سچ چھپا بھی نہیں سکتے
بغیر سُر کے گا بھی نہیں سکتے، بے مانگے لے بھی نہیں سکتے فرد اپنے کی بے جواز کھا تو سکتے

—

ذہین آدمی اگر ذہانت قائم رکھنا چاہتا ہے تو
کھانا وہ کھائے جو پکانے والے کو پتہ ہو کہ کتنا کھائے گا وہ

—

پورا غم سہا نہیں جاتا، آدھے غم کے سوا جیا نہیں جاتا
شاکر ہاتھ میرے پوری خوشی نہ آدھی، پھر تو جشن کیّا نہیں جاتا

—

نور الگ نہیں ہو سکتا انسان سے، اگر ہو گا تو روح پرواز اُس کو کہتے ہیں
نہیں ہم کہہ سکتے کائنات روح کے بغیر ہے کچھ، جہاں میں ہے نور جو پھیلا ہر طرف

—

اللہ کے دوست ہم سب انسان تو ہیں مگر شاکرؔ
کوئی خوف اور غم اُن پر غالب نہیں ہوتا جو تقویٰ کے دوست بنتے ہیں آخر

—

قسمت میری!

مجھے منظور ہے، جو تُونے زمانے کی مجھ سے لڑائی لکھ دی ہے
مجھے سہنے کی سکت عطا کی، لڑائی میں ہی میری بھلائی لکھ دی ہے
مجھے مرنا تو عام ہی تھا لیکن، تُونے شاید شاکر کی حُسینیت کی شیدائی لکھ دی ہے
مجھے شہرت راس نہ آئی، تُونے دُکھ، درد کے ساتھ آگے کی کمائی لکھ دی ہے
مجھے ہوئے آدھی صدی گزر گئی ہے، پھر بھی تُو نے توانائی لکھ دی ہے
مجھے اپنے دل کی پرواہ نہ تھی، تُونے اوروں کے پھٹے پرانوں کی سلائی لکھ دی ہے
مجھے روز بروز نت نئی مشکل اور مصیبت گھیرتی ہے، بس درد ہی میرے دل کی دوائی لکھ دی ہے
مجھے دانائی دل کی مل گئی ہے، دماغ کے لیئے میرے دل کی تابعداری لکھ دی ہے

فتویٰ سے فتنہ ختم کرنے کے لیئے حکم ہے، ناکہ فتویٰ فتنہ جگانے کے لیئے ہو
ہر ہفتے میں مفتی کا فتویٰ دے کر، فساد پھیلانے سے گُریز کا حکم ہے

عاشق کا تو من میں ماتم ہوتا ہے، روز ہی عاشق کے عشق کا عاشورہ ہوتا ہے
مومن ہمیشہ گداز آواز اور مدھم لہجے میں رہتے ہیں، من میں مولا ہوتا ہے
من سے باہر بھی منع نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ مومِن مَن میں کیا سوچتا ہے
حُسین کا غم مومن کا عشق ہے، عشق کا عاشورہ اندر میں روز ہوتا ہے

مصنف ضامن ہے

صلح 1:۔

ہو اگر جہان میں اپنی جان کو رکھنے کی خواہش، تو حریص بننا پڑتا ہے
حسرت ہوس کی گاڑی کے لیئے، حرص کا ایندھن لینا پڑتا ہے

صلح 2:۔

تُم دنیا کی نعمتوں سے واقفیت کرلو
تُم کائنات کی ہرچیز سے دوستی کرلو
تُم سے ہے کائنات کی ہر چیز، دنیا کی نعمت کو اپنی قسمت میں کرلو
کاش تُم کو حاکم کا حکم ہو جائے، شاکرؔ سے دوستی کرلو

صلح 3:۔

قادر اپنی قدرت سے کُل تقدیر کا والی ہے
قسمت پر کُل چھوڑ دینا، قسم اللہ کی یہ بے علمی ہے
قسمت آدھی خود بدل لینا، یہ تو حکمتِ عملی ہے
قسمت کُل میں سے آدھی قادر نے، تیرے ہی ہاتھ میں دے دی ہے
قُل قسمت کو قادر سے بدلوانا چاہتے ہو تو، وہ نام محمدؐ، علیؑ ہے

صلح4:۔

دنیا میں ہم دعویٰ کرنے نہیں آئے، دل میں درد کا دعویٰ ہو، پھر ہو اللہ کا سایہ
دعویٰ سُننے اور دعویٰ کرنے کو دائیں بائیں کردو، یہ بھی ہے ایک مایا

مصنف ضامن ہے

مطلوب کی حاصلِ طلب کا یہ عرق ہے
دل کے ساغر میں دماغ کی کشتی کو کرنا غرق ہے
دماغ اُوپر ہے، دل نیچے ہے، یہ دِکھنے میں فرق ہے
خلق جاتی قبر میں ہے، لوگ کہتے ہیں یہ گیا فلق ہے

———

اِدھر کُود اُدھر کُود، اِدھر جائے اُدھر جائے، وہ بندہ بندر کہلاتا ہے
غنڈہ، بدمعاش، قبضہ گیر، اندر افسر، ساتھ سیاستدان، سب بوری بند تو بلڈر کہلاتا ہے

———

یقین کا نچوڑ ایمان ہے، قرآن کا نچوڑ پہلے انسان ہے، پھر مسلمان ہے
گنّے کا نچوڑ رس اور رس کا نچوڑ چینی ہوتی ہے
گُڑ پگھلے اور شکر کو دھوئیں تو شربت بن جاتا ہے، مرشد کے نچوڑ کی کیا بنتی ہے
ہادی کے دل و دماغ کو نچوڑو تو اُن کے قدم ہوتے ہیں، اُس سے دوا دُعا بنتی ہے
جو لوگ اپنے محبوب کی گلہ پر بولتے نہیں، سُنی کو اَن سُنی کرنے میں اچھائی ہوتی ہے

———

اہلِ دل اور بد دماغ کی نشانی

شب میں جو سسکتے ہیں، وہ منانے کے بغیر ٹس سے مس ہوتے نہیں
جو بات جھوٹ بکتے ہیں، وہ اپنی ہی بات پر رُکتے نہیں
جو بیکار میں اکڑتے ہیں، وہ پھر دین میں تھوڑے بھی سرکتے نہیں
جو بھول سے بھی بھٹکتے ہیں، وہ پھر کبھی منزل پر پہنچتے نہیں
جو اٹوٹ کے نام سے ٹکتے ہیں دنیا کے، اُن سے پھر پھل ٹوٹتے نہیں
جو بھڑاس نکالنے میں بھڑکتے ہیں، پھر وہ سچ بولتے نہیں
کچھ خالی خول ہو کر بھی کھڑکتے ہیں، کچھ بھرے ہوتے بھی کبھی بھرتے نہیں
جو قائل کرنے میں کڑکتے ہیں، وہ وقت آنے پر کھڑکتے نہیں
جو اپنی عزّت کا خود پٹکا پٹختے ہیں، وہ کسی کی لاج رکھتے نہیں
جو اپنے اعمال کو ترازو میں تولتے ہیں، وہ کبھی ہلکے وزن تُلتے نہیں
جو خود ایمان کو تول کر ترازو کے کانٹے کو تکتے ہیں، اُن کو اپنا ظرف دِکھتا نہیں
جو رحیم کے آگے جھولی پھیلاتے ہیں، وہ کبھی خالی لوٹتے نہیں
جو جھوٹ موٹ کے سجدے میں جُھکتے ہیں، اُنکے دل جُھکتے نہیں
جو ریاضت میں خود کو رنگتے ہیں، پھر وہ کبھی وعدے سے پھرتے نہیں
جو جھوٹ کی ڈھول منہ اپنے پر ملتے ہیں، ان کے دل چمکتے نہیں
جو سچ پر ہوتے ہیں، وہ کبھی دہکتے بھی نہیں، سُلگتے بھی نہیں، جلتے بھی نہیں
جو رضا پر راضی رہتے ہیں، وہ پھر زمانے میں بکھرتے نہیں
جو پھونک سے اڑتے ہیں، وہ بار بار پھسلتے ہیں، لیکن وہ منزل پر پہنچتے نہیں

جو اچھے ہوتے ہیں، وہ ہی اچھے رہتے ہیں، وہ کبھی بُرے ہوتے نہیں
جو خواہمخواہ گرم ہوکر گرجتے ہیں، وہ پھر غفلت سے جاگتے نہیں
جو بغیر مرشد چلتے ہیں وہ صرف رینگتے ہیں، لیکن اُٹھ سکتے نہیں
جو شاکرؔ اثر لیتے ہیں، صُحبت نیک کا، وہ پھر بھٹکتے نہیں

کم ظرف اور اعلیٰ ظرف میں فرق اتنا ہے شاکرؔ
کم ظرف جمع کرکے بھی روتے ہیں، اعلیٰ ظرف سب کچھ بہاکر بھی ہنستے

پہلے من میں خود مان، پھر تو مالک کو مَنا سکے گا
منانے میں من کو لگا دے، پھر ہی کچھ گِنوا سکے گا

انعام سانس تو ہے، جو تو پل پل میں لے رہا ہے
انعام کی تلاش چھوڑ گناہ سے بچنے کی کوشش کر، سانس تو گزر رہا ہے

مزے کے متلاشی، اپنا ہی اصلی مزا گَنواتے ہیں
سکون کی تلاش میں لوگ اپنا ہی سکون گَنواتے ہیں

الہام سے ابہام کُھلتا بھی ہے، علم آتا بھی ہے
ابہام اگر نہ کُھلے تو پھر کچھ بھی ہاتھ آتا نہیں ہے

لاج ونت

راجپوت تو لاج رکھے اور رکھائے اپنی، ورنہ راجپوت نہیں ہے
جو کم ظرف ہوتا ہے، وہ راجپوت کہلاکر اکڑتا ہے

مرد کبھی مرتے نہیں!

مرد کبھی مرتے نہیں، مرد کا کام نام زندہ، باقی مردود مرتے ہیں
اوچھے لوگ اوچھے کام کرکے اپنے اُوچھے پن پر اُچھلتے ہیں
نیّت جو ہے خود پر بجلی کی طرح گرتی ہے، جو کسی کو بھٹکاتے، گویا کہ خود بھٹکتے ہیں
کچھ دستور لوگوں کو بھٹکانے کے لیئے دامن کو کانٹوں سے بھرتے ہیں
مغز میں جو بغض رکھتے ہیں، بے وجہ بات بات پر بھڑکتے ہیں
خلقت میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، خالی خول خواہمخواہ ہر کسی پر کڑکتے ہیں
بے حیا لوگ پہلے اپنی پگڑی اُتارتے ہیں، پھر کسی اور کی اُتار کر پٹختے ہیں
فقیروں سے مریض کو شفا مل جائے، جب وہ صرف تکتے ہیں
سچ پر فقیر کھڑے ہی رہتے ہیں، نظر میں اکڑے ہوتے، اندر جُھکتے ہیں
عاشقِ رسول باہر سے ٹھنڈے، اندر سے انگاروں کی طرح دہکتے ہیں
شاکرؔ نام میرا وارثوں نے رکھا، اس لیئے شُکر کرتے ہیں
راز جو راضی کرنے کا پرکھ لیتے ہیں، پھر اوروں کو بھی رنگتے ہیں
راضی کرکے رحمٰن کو ریاضت سے وہ لحاظ رحیم کا رکھتے ہیں
بُغض کو پھُنسی پھوڑے کی طرح پھوڑ دے، لوگ تو تھوک سے بھی پھسلتے ہیں

کوئی گُرو بناکر گُر سیکھ لے، جن کا گُرو نہیں، پھر وہ محض گرجتے ہیں
آدم کو حقیقت کی بات یاد رکھنی ہے، ورنہ وہ انسان نہیں، کیڑے کی طرح رینگتے ہیں
بندہ خداوند تو دوسروں کے آنسوں پونچھتے ہیں، پر اپنے ہی آنسوؤں میں بھیگتے ہیں
جو دُکھ درد اندر چھپا کر، اقوال ظاہر کرتے ہیں، وہ اندر ہی اندر سِسَکتے ہیں

میں تو خاک ہوں، پھر بھی تونے دی ساکھ ہے
میں شاکرؔ شُکر کرتا ہوں، یہ بھی نمانو کی شاخ ہے

راکھ اور خاک کے درمیان ہوں، پھر بھی میرے لیئے بڑی بات ہے
داغ بھرا دامن ہے، دنیا خلاف ہے، پھر بھی بچت کی بات ہے

میری تربت قبلہ نہ ہوگی، لیکن میرا قبلہ قبر بھی ہو سکتی ہے
پوجا کے تو تنکا بھی قابل ہے، میں تو تنکے سے بھی کم تر ہوں

میں تم میں گم

چُھپوں تو ایسے چُھپوں جیسے اللہ ہم میں چُھپا
جپاؤ ایسے نام اللہ کا، جیسے تم نے کسی اور کو جپا
ظاہر کرو ایسے قادر کی قدرت کو، قُل میں ہے جیسے چُھپا
ظاہر کبھی مجھ میں، کبھی تجھ میں، ظاہر بھی تم کرو جو تجھ میں چھپا
چُھپو مت شاکرؔ شکور سے تم، تم دیکھو نہ دیکھو، وہ دیکھے صبح و شام
ایسی چھاپ چھوڑ دنیا میں، جیسی چھاپ چھوڑنے کا عالم ارواح میں تونے کہا

خود کا خیال

بات کسی اور کی اور عمل تیرا ہو، پھر بات کیا ہے
تو اپنی بات بتا، تیرا علم کیا ہے
دوسروں کی بات تو سہی ہے، لیکن تیری بات کیا ہے
خزانے تو ہر کسی کو پرور نے دیئے، علم تجھے جو دیا، وہ کہاں ہے
اقوال کسی اور کے، سوال تیرے، پھر جواب عمل کہاں ہے
صرف تیرا بات کہنا، عمل کسی اور کا، یہ کیا بات ہے
شاکرؔ بات تیری، عمل بھی تیرا، پھر بات تیری ہو اور عمل کوئی اور کرے، پھر بات ہے

شعور رکھ

اتنا تو شعور رکھ، دنیا میں رہنے کا دستور رکھ
اتنا تو شعور رکھ، غرور نہیں رکھنا، یہ خیال ضرور رکھ
اتنا تو شعور رکھ، انسان ہونے کا سُرور رکھ
اتنا تو تم ضرور رکھ، مرشد والا ہے، اس پر ایمان اور رکھ
اتنا نہ فتور رکھ، یہ شیطانی ہے، نمانے کی نماز میں دھیان اور رکھ
اتنا تو شاکرؔ شعور رکھ، اپنے من میں نام شکور کا رکھ
اتنا تو شعور رکھ، اپنے اعمالوں کے ترازو کا کانٹا برابر رکھ
اتنا تو شعور رکھ، جس نے پیدا کیا، دھیان اس پرور پر رکھ

آج کی بات

جس نے غرور کرنا ہے، اُس نے اپنے اندر کو تندور کرنا ہے
جس نے مغز میں بغض رکھنا ہے، جیسے نیکی سے باز رہنا ہے
جس نے سُرور کو اپنے اندر بھرنا ہے، اندر سے فتور باہر رکھنا ہے
جس نے دماغ کو دل کے ماتحت رکھنا ہے، مغز سے بغض دور رکھنا ہے
جس نے شاکرؔ کی بات پر یقین رکھنا ہے، اُس کو شکور کا شُکر کرنا ہے

آپ میں نظم

شعر کہہ کر سچ پر قائم رہے، غالب نے تو باندھا بازار میں سہرا
شاکرؔ شُکر کر نعمتوں کا، ورنہ شکاری کہلائے گا شِکرا
روز بروز درد بڑھتا ہے، روز کردار کو سمیٹتے ہیں، پھر بھی پڑا ہے بکھرا
چمک طمع کی چاٹنے کے لیئے ڈھونڈے گا ہم کو، کیوں چُھپاؤں میں چہرہ
دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ کھڑا قرینے سے ہوں، جیسے قربانی کا بکرہ
سچ پر کھڑے ہیں، روز چاہے ہمارے خلاف ہے سرِبازار مظاہرہ
دغا کا بازار سجا ہے، پھر وہی فریب دھوکا، جھوٹ کا نہ ہونے دیا اجارہ
حلالی ہوں، جمالی ہوں، ہادی کی ہدایت بنا، نہیں کوئی چارہ
ہر روز خطرہ زندگی کو اور عزّت ہونے کا ڈر پارہ پارہ
غم کی غمگین راتیں ہیں ہماری، مجنوں تو پھرا صرف صحرا

رانجھا بھی بنے پر ہیر کی سحر حاصل نہ ہوئی، نہ ملی ہریالی نہ صحرا
عدل ہمارے یہاں پہلے ہی اندھا تھا، اب انصاف بن گیا ہے بہرہ
عدل پر بھاری ہوا اپنا ذاتی بھرم، فیصلے کے اُوپر ہے طاقت کا پہرہ
عدل کرنے سے حکمرانوں کی عدولی ہے، اب تو انصاف ہے گھُپ اندھیرا

———

شمس تبریز کی کھال اُتاری، لوگوں نے بغیر اُسترا
ہماری کھال پیسہ ہے، وہ کھال اُتاری لوگوں نے، جیسے ہی میدان میں اُترا

آج کی بات

سُنسان سانس ہے، سارا سماں بیکار ہے
رسم نبھانا تو رسمی ہے، لیکن دل ویران ہے، پھر کیا پیار ہے
دل بے یقین ہے، دماغ کنگال ہے، جھوٹی آبیار ہے
سستا ہو گیا سنسار، سچ کا سودا بِکتا سرِبازار ہے
کوئی نہیں سکت ہے، بغیر نیّت رکعت ہے، خواہمخواہ کی ابکار ہے
شاکرؔ نے بدلتے رخ کی پرواہ نہیں کی، تو پھر زندگی میں چمکار ہے

———

ہمت کرنا تو دیکھئے، ہمت کی بات تو دیکھئے، غیب کی بات لگتی ہے
اہمیت کی بات سے بڑھ کر، ہمت سے اہمیت کی بات ہے، وہ کرے تو دل سے لگتی ہے

———

حروف مَبانی:۔

میرے اقوال حروف ابجد میں تلاش کر، پھر جیسے کتاب پڑھ لی ہو
میری بات وہ سمجھے، جسے سمجھنی ہے، بڑی بات سمجھنے کے لیئے عقل بھی بڑی ہو

صوفي صاف ڪين ٿئين، تو تعصب من ۾ رکيو آهي
مغز ۾ ماٺھوءَ جي ڪجھ نہ آهي، هي ڳالھ سڄي من ۾ آهي

صوفي صاف ڪين تون ٿيندين، تو تعصب من ۾ رکيو آهي
تصوّف جو تصوّر ڪرڻ تولاءِ مشڪل آهي، تو تعجب شڪل ۾ ئي رکيو آهي

ہے دنیا کا میرے گرد گھیرا گند کا، اُوپر سے پہرہ دولت بچی تو کیا پہرہ
ہے اگر تمنّا گند سے بچنے کی تو دولت کا ہٹا پردہ، دِکھا چہرہ

ٻوڙ موت جي

اڳيان اڳيان زندگي، پويان آ ٻوڙ موت جي
پاٺي جيان آ وهڪرو ۾ ٻوڙان ٻوڙ موت جي
موت جي چال پڻ عجيب آ، چپيا تجي ٿي وڃي زندگي روڊ تي
اچي وڃي ٿي اوچتو ڪيڏي ولوڙ موت جي
خوشبوءَ ۾ آ بدبوءِ ، آ خر ڪيئن اچي ٿي وڃي
زندگي آخر آ، سهي ڪيئن ٿي سگهي، توڙ موت جي
دوست عزيز ۾ ماءُ پيءُ جو وعدو پورو نہ ٿيو بس سفر موت ڪان موت ڏي

یادداشت اپنی

خبر میں بھی تلاش تو کر، خیر ہے یا شر ہے تیرے لیے
قبر میں بھی تلاش تو کر، خبر داری ہے یا سمجھداری ہے
مشکل میں بھی تلاش تو کر، تیرے ساتھ کون ہے، کون نہیں
سر میں بھی تلاش تو کر، کہ یہ سر سجانی ہے یا تم ہو
شر میں بھی تلاش تو کر خیر کی، بدل تو شر کو، پھر تیرا خیر ہے
شیر میں بھی تلاش تو کر، دل کے تم بھی شیر ہو، بس عمل کر
ہیر پھیر میں بھی تلاش تو کر، اپنے اندر دیکھ، پھر کسی کو دیکھ
دیر میں بھی تلاش تو کر، تیرے اندر تو اندھیر نہیں
غیر میں بھی تلاش تو کر، ہمیشہ اپنوں میں دِکھتے ہو
زہر میں بھی تلاش تو کر، امرت کبھی کبھی مرنے میں ہی ہوتا ہے
زیر میں بھی تلاش تو کر، زیر ہونے میں بھی ابتری ہوتی ہے
حاضر میں بھی تلاش تو کر، کبھی ہونا بھی نہ ہونا ہوتا ہے
بیزار میں بھی تلاش تو کر، مل جاتا ہے خدا جب تنگی ہوتی ہے
پیار میں بھی تلاش تو کر، پیار میں ہی زندگی ہوتی ہے
وفادار میں بھی تلاش تو کر، بے وفا بھی کبھی دوست ہوتا ہے
شفادار میں بھی تلاش تو کر، مرض میں بھی مریض کو شفا ہے
نمودار میں بھی تلاش تو کر، گُم سُم میں بھی کچھ چھپا ہوتا ہے

خبردار میں بھی تلاش تو کر، بے خبری میں بھی بخشش ہوتی ہے
خیر میں بھی تو تلاش کر، شر میں بھی پھنسی زندگی ہوتی ہے
پیار سے کچھ کرکے حاصل کر، خوشنودی خدا کی بھی مل جاتی ہے
عیار بن کر دنیا کو تو ٹھگ لے گا، کبھی اُس کو ٹھگ کر دیکھ، کیا تیری حالت بنتی ہے

کیا میں تہمت لگوانے آیا تھا اِس دنیا میں
کیا میں الزاموں کے سہارے جینے آیا تھا اِس دنیا میں

یہ الزام درست نہیں مجھ پر، کہ میں بھی مرجاؤں گا
میں تو مرد ہوں، بس اپنے مالک کے پاس جاؤں گا

میں جو دوستوں کے دنیا میں کام نہ آ سکا
اُس دنیا میں جاکر کام کی بخشش کرواؤں گا، لیکن جلدی نہ جا سکا

کسی کے خیال میں یہ ضرور ہوگا کہ میں مرجاؤں گا
میں تو اس لیئے جاؤں گا، کہ بقیہ کام وہاں جاکر سُلجھاؤں گا

بھلا کرنا اِس دنیا میں بلا کا کام ہے، لیکن اللہ سے صِلہ ملنے کا کام ہے
تُلا تُلا کر ترازو میں نہ رکھنا بھلا، ورنہ تیرا بھی تولا جائے گا، جو تم نے کیّا صبح شام ہے

پیسے کی اہمیت

انسانی سر کی حقیقت انمول ہے، لیکن پیسے جیسا سر نہیں
شیطان بھی بہت بڑا شریر ہے، لیکن پیسے جیسا کوئی شر نہیں
شیر جنگل کا شیر ہی ہوتا ہے، لیکن زمانے میں پیسے جیسا کوئی شیر نہیں
پھول سے خوشبو آتی ہے، لیکن پیسے کی خوشبو جیسی پھول کی خوشبو نہیں
ہر سرکاری کارندہ کام مشکل سے کرتا ہے، لیکن پیسہ مل جائے تو پھر ہیر پھیر نہیں
بغیر پیسہ علاج نہیں مرض کا، پیسہ مل جانے کے بعد شِفا میں دیر نہیں
پیسہ نہ ملے تو بیگانے ہوتے ہیں رشتے دار، جو پیسہ دے، وہ پھر غیر نہیں
نہ ملے معاوضہ مریض سے ڈاکٹر کو، تو وہ ہسپتال میں حاضر نہیں
غریب پڑوسی سے خفا ہے، پیسے والا پڑوسی کا پھر کوئی بھی آزار نہیں
ماں باپ سے بھی تنگ ہیں لوگ یہاں، والدین کو پیسہ ہو تو پھر بیزار نہیں
سرکاری ملازم رشوت لے تو کام ضرور ہوگا، چاہے چھٹی پھر اتوار نہیں
دوست امیر تو ٹھیک ہے، غریب دوست سے تو وفادار نہیں
وہ کیسا مومن ہے، جِسے تنگی میں اور عیش میں صبر نہیں
مفت میں دوا دے بھی دے کوئی حکیم، پھر دوا شفا دار نہیں
ممبر اسمبلی ووٹ لے کر ووٹر سے گم ہوجاتا ہے، پھر نمودار نہیں
شاکرؔ اگر تو نے شُکر نہ کیا، پوسٹ دیکھنے والوں کا پھر شیئرؔ نہیں

—

فقیر کے فکر دیکھ، فلک سے ان کے حلق سے پیغام سُن، جوان کی تربت ہے، وہ قبر نہیں
فقیر سے فرق نہ رکھ، پھر فلک کی عبرت دیکھ، پھر تمہیں دنیا کی خبر نہیں

—

بھرم کا بھروسہ

دیکھ تو اعتبار کرکے جبّار کا، پھر کچھ ہوتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو غمخوار بن کر کسی کا، پھر تیرا کچھ ہوتا ہے یا نہیں
دیکھ تو آبشار آنکھوں سے کرکے، پھر آشنائی ہوتی ہے یا نہیں
دیکھ تو یار پر بھروسہ کرکے، بھرم وہ رکھتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو شکار کرکے آنکھوں سے محبوب کا، دیکھ پھر شکار ہوتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو پیار کرکے قہّار سے، پھر اعتبار آتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو مختار بن کر ثواب کا، پھر نتیجہ ملتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو شاہکار اس جہان کے مالک کے، شاہدی ملتی ہے کہ نہیں
دیکھ تو بیکار دنیا ہے یا تم ہو بے وفا، خیر مانگ کر تو دیکھ، کچھ ملتا ہے یا نہیں
دیکھ تو گفتار کرکے پھر بتا، تمہیں جواب ملتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو آثار ہیں ظہور کے، اظہار تجھ سے ہوتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو شمار کرکے اوصاف قدرت کے، تجھ سے گنِے جاتے ہیں یا نہیں
دیکھ تو ملہار بھی خزاں بھی، یہ قدرت نے دی ہے یا نہیں
دیکھ تو آرپار تیرے دل میں، بات نمانے کی گئی ہے یا نہیں
دیکھ تو لگاتار من لگاکر، پھر مولا ملتا ہے کہ نہیں
دیکھ تو وفادار ہوکر کسی سے، پھر وفا تجھے بھی ملتی ہے یا نہیں
دیکھ تو سوگوار ہوکر حُسین کے نام سے، پھر بتا شفا ملتی ہے یا نہیں

دیکھ تو جواہر جو تیرے اندر ہی دفن ہیں، کھول کر بتا ہیں یا نہیں
دیکھ تو آبیار کرکے اپنے دل کو نام اللہ سے، پھر کچھ ہوتا ہے یا نہیں
دیکھ تو خیال کرکے کسی کی عزت کا، پھر تمہیں بھی عزت ملتی ہے یا نہیں
دیکھ تو مختیار بن کر نیّت سے، پھر مانگ تجھے ملتا ہے یا نہیں
دیکھ تو شُکر کرکے، پھر شاکرؔ بنتا ہے کہ نہیں، شکور ملتا ہے یا نہیں

اعمال

گونا گوں ہے جس کا دھیان، پھر ہوتا ہے نیک شگون
سکون چاہنے والے ہی بدسکون ہوتے ہیں، کیونکہ نہیں اُن کو کوئی دھیان
ویران دل کے ساتھ ہریالی چاہتے ہو، ذکر الٰہی پر کر دھیان
سُلطان سائیں دل سے کبھی تو پوچھو، یہ کیسے ملے گا تمہیں سکون
میری ضمانت ہے سکون کی، لیکن شکور میں ہو جس کا دھیان
مسلمان صرف نام کے نہیں عمل کے بھی مسلم بنو، پھر ہی ملے تمہیں سکون
جہان میں امان ملتی ہے اُس کو، جس کا ہو دین و دنیا میں دھیان
آسمان کی بات مان، پھر ملے یقین اور ایمان، پھر تم ہو مسلمان
ایمان کا خود بن نگہبان، حق کو پہچان، پھر تو اللہ نگہبان
جان کی ہر وقت چاہتے ہو امان، پھر لا کر ایمان، عمل سے بن کر اچھا انسان
مکان جو آخری ہے قبر، اُس کا بھی وسیلہ بنا، یہ ہوگا تیرا ایمان
پہلے شُکر میں ایمان رکھ، پھر یقین سے شاکرؔ بن اور شکور کا ہو سارا دھیان

فیض کا فیضان

یہ نمانے اُس جہان کے سیانے، اِس دنیا میں آئے ہیں سچ کمانے
ناکہ اپنے آپ پر تہمت لگوانے، ناکہ بڑا کہلوانے
یہ فیض لکھا ہے اُوپر سے، طالب کے مطلوب سے ملنے کے ہیں سارے بہانے
یہ حکم ہے حاکم کا، پھر طالب کیا کہے مطلوب، آئے ہیں خدا سے ملوانے
نہ یہ خواب سُہانے، نہ میرے خیال بیگانے، یہ سب اقوال ہیں ہمارے
ہادی نے دیئے اقوال اوّل، پھر ان پر کرنا ہے عمل، فیض بھی اللہ سے آئے

توفیق حاصل کر

دیکھ لیجئے پرکھ کر، اُستاد لے لیجئے بھلا ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، مرشد بنا لیجئے صلح اللہ سے ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، ہادی سے ہدایت لے لیجئے، پھر حق ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، شیخ حاصل کر لیجئے، پھر سچ حاصل ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، مالک بنا لیجئے اپنا، پھر معاملہ سمجھ میں ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، ضامن اپنا دے دیجئے، پھر ضابطہ ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، رہبر سے ریاضت حاصل کر، پھر ریاکاری سے دور ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر حاکم کو، حق کر لیجئے تو تجھ سے بھی حق ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، حق دے کر حق لیجئے، سودا سستا ہوگا
دیکھ لیجئے پرکھ کر، ہادی لے لیجئے، پھر ہدایت تیرا حق ہوگا

———

میں اور میری سمجھ

یہ سمجھ آئی مجھے، اثر ہوئے دل پر گہرے، ہادی کا کلام اندر میرے
ہادی نے سمجھادی ہے، سانس ہونگے پورے میرے، سہارے تیرے
ہادی کی بات گئی اندر میرے، میں قربان جاؤں، بناؤں اُن کے سہرے
یہ نہیں اقوال میرے، بس گئے ہیں میرے من میں اقوال سنہرے
ملنے اللہ سے جُھک جاؤں، تو اندھیرے میں بھی دل میں آئیں سویرے
قول میرے کیا کریں اُن کو، جو دل کے اندھے، سچ سے بہرے

عقل اور توکّل میں کوئی الگ سے فرق بھی ہوتا ہے کیا شاکرؔ
عقل پر تجھے بھروسے ہیں، لیکن عقل سے بالاتر ہے توکّل صابر

ہستی اور مستی میں فرق ہے کہ نہیں، یہ تو بتا شاکرؔ
ہستی کو مستی ہوتی ہے، اگر ہستی نہ ہو اور مستی ہو تو، یہ فقیری کی علامت ہے

رواج اور مجاز میں فرق ہوتا ہے کتنا، ارشاد کر تو شاکرؔ
مجاز دنیا کا دستور ہے اور رواج خود بتاتے ہیں، یہ چونچلے ہیں سماج کے آخر

یہاں اور وہاں کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے، مرشد ملنے سے
وہاں یہاں کے معاملہ میں خودبخود خدا شعور دے دیتا ہے، ہادی ملنے سے

میری کُل عقل

جو میں دیکھتا ہوں، اصل میں پھر وہ کیوں نہیں ہوتا
جو میں کرتا ہوں، وہ کیوں مجھ سے ویسے نہیں ہوتا
جو بھی میں سوچتا ہوں، وہ ویسے کبھی نہیں ہوتا
جو بھی ارادہ میں کرتا ہوں، وہ اُلٹا ہی ہے ہوتا
جو میں نے دیکھا کہ جس کا شوق ہے جینا، وہ ہی ہے مرتا
جو عقل کُل ہے میری اور نظر گہری کی میں نے، پھر بھی ہے میری عقل پر پردا
جو عقل پر میں سارا بھروسہ کرتا، اندھے گڑھے میں ضرور گرتا

—

ناراض اور عرض میں فرق کتنا ہے، یہ سوال ہے شاکرؔ
ناراض ہے بندہ نعمت لے کر بھی، میری نصیحت ہے کہ تُو عرض کر، بندہ ہے آخر

بات بھانت بھانت کی

بات تیری ہے اگر، تُو بات پھر ذات کی کر، وہ ہی بات ہے
بات اگر ذات کی نہیں، یہ ہی تیری مات ہے، پھر تیری نہ بات، نہ تیری ذات ہے
بات تیری کی دشمن گھات میں ہے، ذات کے علاوہ بس تجھے لات ہے
بات بھانت بھانت کی ہے اور ذات کی نہیں، پھر تو تیری گندی ذات ہے
بات کوئی سانت کی ہے، تو شاکر کر شُکر کی بات، پھر ہوتی راضی اُس کی ذات ہے

—

وسوسہ میرا

دنیا کے غم دیکھ کر غمخوار ہونا چاہتا ہوں، اُن کا غم لینا چاہتا ہوں
اپنے غم میں غمخوار کا سوچ کر، سوگوار ہو جاتا ہوں
جب کوشش کرتا ہوں، پھر بھول کر شیطان سے گوشگزار ہو جاتا ہوں
نیّت تو کرتا ہوں کسی نہ کسی کی مدد کروں، پھر بھی میں وسوسے پر سوار ہو جاتا ہوں
عمل سے دور ہوں صرف سوچ پر سوار ہوں، شاید رہبر سے دور ہوں
دنیا کے تو سب دستور جانتا ہوں، لیکن خود بھی دستور ہوں
ملنا ملانا لوگوں سے بہت ہے میرا، پر مشہور ہو کر بھی میں جیسے دشوار ہوں

وجہ نہ بتا بےوفائی زمانے کی، صرف اپنی بات کر تُو
کرنے سے وفا بنتی ہے، باتونی تو تم سے زیادہ میں بھی ہوں، کیا بات کرتا ہے تُو

وفا نام سُن کر، بیزار ہوئے ہم
نہ ملی اگر ہمیں، کیا ناکام ہوئے ہم

عشق مجاز اور عشق حقیقی میں فرق کتنا ہے شاکرؔ
عشق مجاز انسانی نفس کا مزاج ہے، چند قطروں کا ہے رکھتا اثر
عشق حقیقت میں دل کے مزاج کے ہیں سمندر
مغز کے مزے کا مزاج ہے لیکن قلب کے مزے سے کوئی تعلق نہیں شاکرؔ

عشق کا دستور

عقل کی بھی ایک شکل ہوتی ہے، لیکن ہمیشہ مشکل میں ہوتی ہے
حکمت جس نے عقل میں سمائی ہوتی ہے، اُسی کی مشکل دور ہوتی ہے
عقل سے دور رہنا، یہ عشق کا دستور ہے، اس بات کا کر غور، یہ اصل ہوتی ہے

کل کی بات

اُس نے سب کرکے دیکھا اور دکھا دیا، سبق دے دیا پیار کرنا ہے
اُس نے کیا کیّا، جس نے مالک کی مخلوق کو تنگ کرکے بیزار کرنا ہے
اُس نے دھیان ہی نہ دیا تو وہ اور کیا دے گا، اپنے آپ کو خوار کرنا ہے
اُس کا یار تو شیطان ہے، جو جھوٹی فتویٰ کے گناہ کا اقرار کرتا ہے
اُس کا کیا گیا جو ہروقت بدلتا اور دنیا میں دین سے انکار کرتا ہے
اُس بندے کو خداوند مبارکباد دیتا ہے شاکرؔ، جو اندر میں دیدار کرتا ہے

—

میری تقدیر کے ورق فلک پر لکھے ہیں اگر
کیوں روز بروز ٹل جاتا ہے حادثہ موت آجانے کا

—

بھروسہ خود پر کرو تو بھرم رہے گا، بن بھروسے زندگی بھار لگے
بار بار تاکید کرنا ہے دل کی معرفت دماغ کو، کہ بھروسہ رکھ

—

تقویٰ بھی، توبہ بھی

قول:۔

عالم کی تقویٰ گناہ سے بچنا ہے، عاشق کی تقویٰ عالم سے بچنا ہے
علم کی تقویٰ خود جاہل سے بچنا ہے، دنیا کی تقویٰ فقیر سے بچنا ہے
کشکول کی تقویٰ یہ ہے کہ آدمی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچنا ہے
تقویٰ کی بھی تقویٰ یہی ہے، جو خود پسندی سے بچنا ہے
عشق کی تقویٰ یہ ہے کہ عشق کی آگ لگ جانے کے بعد پانی سے بچنا ہے
انسان کی تقویٰ یہ ہے کہ ہر صورت منافقت سے بچنا ہے
سورج کی تقویٰ یہ ہے کہ مغرب سے نکلنے سے بچنا ہے
مسلمان کا تقویٰ یہ ہے کہ آخری نبی پر تبصرہ کرنے سے بھی بچنا ہے

قول:۔ جو بات کے وحشی ہوں، ضروری نہیں کہ وہ وحشی ہوں۔ کچھ نام کے وحشی ہوتے ہیں، لیکن وحشی نہیں ہوتے۔

قول:۔ فریب اور قریب کے درمیان فرق صرف ایک نقطہ کا ہی ہے، خیال رہے۔

عذاب سے ڈر کر جنت کا چاہ رکھنا، اسے ثواب کہتے ہیں
دنیا سمجھے دیوانہ، دولت دنیا کی گنوانا، اسے عشق کا حساب کہتے ہیں

وقت نے بات بتائی

حکمت کے جو محکوم ہیں، وہی پھر محمود ہیں، حاکم کے حکم کی انگڑائی کے
عقلمند، سیانا، چالاک، دانا، بصیر، کئی نام ہیں دانائی کے
زمانے بدلنے کی خبر قرآن میں لکھی کئی بار آئے لکھائی کے
وقت بدلے گا کبھی، یہ بتا گئے سینکڑوں لوگ مثل پیشن گوئی کے
وقت کے بدلنے سے پہلے بتائے، لاکھوں میں ایک سے ہوئی کے
وقت کی نزاکت کو سمجھ، اربوں میں سے کروڑوں میں آئی کے
وقت کی بصیرت آئی، لاکھوں میں سے دو ڈھائی کے
وقت پر دین و دنیا کی سمجھ، ہزاروں میں سے دھائی کے
وقت کو بدلتے وقت پر دیکھ لے شاکرؔ، یہ سمجھ اربوں میں سے ایک کو ہوئی کے
وقت کے کہیں آگ بگولے، کہیں دوھنّویں یہ دیکھے کوئی اکثر دقّت سے دھوئی کے

وَبا پھیلی ہے بنا وجہ کہ بے وفائی پھیلی ہے، جواز بناکر بنا جواب
دباؤ ہے دماغ پر بلاوجہ، لیکن جواز بناکر دماغ کا، دباؤ ہے دل پر بنا ثواب

راستہ رشتوں کا

رشتے راستہ بھی روکتے ہیں، رشتے راستہ بھی بتاتے ہیں
رشتے کبھی راس بھی نہیں آتے، کبھی بنا چاش کے بھی رشتے ہوتے ہیں
رشتے آس دلاتے ہیں، لیکن رشتے کبھی کبھی جسم کا ماس بھی کھاتے ہیں
رشتے میں رس بھی ہے اور لوگ رشتوں پر بے بس بھی ہوتے ہیں

مصنف ضامن ہے

قول1:۔

جھوٹے سے چُھپ کر، چُغلی سے چُھپ کر، جو چُپ رہتے ہیں، دانا ہو جاتے ہیں
پہلے ہی چھپے ہوئے کو نئے ڈر، چھپنے والوں کو کھا جاتے ہیں
ڈر سے چھپے ہوؤں کو بھی خوراک چاہیے، وہ اُن سے بھی بزدل کو کھا جاتے ہیں
دنیا دانا کے لیئے دین کمانے کا سبب بنتی ہے، دنیا بزدل کو بھگا دیتی ہے

قول2:۔

خدمت بمقابلہ حکمت، سوال کا جواب ملے تو قسمت ہے
خدمت کرنا اُس جہان میں باعث قسمت ہے
خدمت کرنا اِس جہان میں، قسمت بدلنے کی حکمت ہے
خدمت + عادت = قسمت ÷ حکمت = جنّت

قول3:۔

عشق مجازی عیش بھی ہے، طیش بھی ہے، ہوس بھی ہے اکثر
عشق حقیقی بحث کے بغیر، عشق فلق سے ہے، عشق حقیقی آس اور کاش سے پاک ہوتا ہے اکثر

قول4:۔ اپنے آپ کو ہر وقت پرکھ کے پیمانے پر رکھ کر، گمراہی سے بہت دور چلا جاتا ہے انسان، پھر گمراہی کو بہت تیز آنا پڑتا ہے، پرکھنے والے انسان کے پاس پہنچنے کے لیئے۔

مصنف ضامن ہے

کرتا جا مسلمان تُو لوگوں کو، خود انسان بھی پورا نہیں
شاکرؔ کو شُکر سکھاتا ہے، خود کو معلوم شکور کا پورا پتہ بھی نہیں

——

ہوتا رہتا ہے کبھی کوئی پہلے، کوئی بعد، یہ ہوتے ہیں کردار کے صِلے
قائم رہے ثمر اور سُواد صبر کا، پھر آدمی پھلے پھولے

——

ہر زمانے کو روشن زمانے دیئے ہیں اُس خدا نے
ہر روشنی سمجھے کہ یہ زمانے دیئے ہم کو زمانے نے

——

تیری آنکھ کا جو یہ نور ہے، اس سے جہاں کے نظارے دکھاتے ہیں
وہ تیسری آنکھ ہے جس سے اندر کے اور اُس جہاں کے نروار نظارے پرکھاتے ہیں

——

مستی میری تو میں کہوں، ہستی چاہوں تو تُو کہوں
مستی اور ہستی دونوں اپناؤں تو، ہر طرف بس تُو کہوں

——

مُشک اور شک میں الگ الگ فرق بناؤ، شک کو مغز مت بناؤ
ضرورت کو ضد نہ بناؤ، ضرورت کی صورت کو من میں مت بٹھاؤ

——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب دوسرا

لفظ کی ضمانت

اخلاقیات

شعر1:۔

جوانی میں انسانیت ہو تو حیثیت ہو جاتی ہے
جوانی میں حیوانیت ہو تو اوروں کے لیئے عبرت بن جاتی ہے
کیفیت کیا ہے، کیوں ہے؟ خود خدا تو ہے، جو تیرے اندر تبدیلی آجاتی ہے

تشریح: عمر تو ایک بہانہ ہے، کیفیت جوان کی بھی خراب ہو جاتی ہے، مایوسی جوان کو بھی آجاتی ہے، گھبراہٹ جوان کو بھی ہوتی ہے، ڈپریشن جوانوں کو بھی ہوتا ہے یہ سارے مسائل بڑھاپے کا سبب نہیں ہیں۔

پاپا آپ نے خود ہی تو لکھا ہے کہ جوان کے پاس طاقت ہے اور بوڑھے کے پاس تجربہ، اگر وہ سمجھوتہ (Compromise) کرلیں تو ایک بڑی طاقت ہے، لیکن جس کے پاس تجربہ بھی ہو اور طاقت بھی ہو، اس کو سمجھوتہ (Compromise) کرنے کی کیا ضروت ہے، یہ تو سیدھی سیدھی اللہ کی نعمت ہے، عطا ہے، خود مختاری ہے اور اگر اس نعمت کے باوجود اوروں کی کمزوریوں کو، مایوسیوں کو آپ اپنے اُوپر ڈال کر کوئی سمجھوتہ (Compromise) کروگے تو جس کام کے لیئے اللہ نے آپ کو یہ نعمت دی ہے، وہ واپس لے لے گا کہ اوروں کا بھار چھوڑو، تُو اپنا بھار ہی اٹھالے، تو اس لیئے اوروں کی مایوسی کو ختم کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، لیکن اگر مایوسی نہ ہو تو اُنھیں چھوڑ دو اور اپنے کام پر اپنی طاقت خرچ کرو!!!

تندرست درست

شعر2:۔

اپنا سب کچھ گنواکر کر گُرو کے پاس جا، گُر کچھ لے لے
سب کچھ گُرو سے لے کر، پھر اُس گُر سیکھنے کا صدقہ دے دے

تشریح: جب انسان اپنے مرشد کے پاس جاتا ہے تو جو تجلّی مرشد پر پڑتی ہے اور وہاں کی صاف سچائی آدمی کے اوسان میں مسلسل بیٹھنا، بہت مشکل کام ہے اور وہاں سے اٹھنے کے بے شمار بہانے، حیلے، وسوسے مرید کے دماغ میں آتے ہیں اور پھر دھیان دوسری جگہ پر مصروف ہوتا ہے اور جہاں بیٹھا ہوتا ہے، وہاں کا کوئی دھیان نہیں رہتا اور یہی اصل آزمائش اور قربانی ہوتی ہے جو مرید کو دینی پڑتی ہے، جیسے کہ مصنف صاحب نے اپنی کتاب "لاعلم کی بات" میں ذکر کی درجہ بندی کے نام سے مضمون میں موجود مراحل کے بارے میں سمجھایا بھی ہے تو ایسے پہلے اپنا سب کچھ گنواکر ہی گُرو یعنی مرشد سے آپ کو ذکر حاصل ہوگا اور پھر جب ذکر ملے گا تو پھر کثرت سے ذکر کرنے سے کئی راز رمز بھی آپ کو مل جائیں گے اور پھر جب ذکر مل جاتا ہے تو سب کچھ عیاں ہو جاتا ہے، پھر انسان کے ظاہری اعضا بند ہو جاتے ہیں اور اندر کے ہر سب اعضا کھل جاتے ہیں، کام کرنے لگتے ہیں اور اسے سمجھ آنے لگتا ہے، پھر اسے اپنے پاس آنے والے بندے کا مفاد سمجھ آنے لگتا ہے اور پھر ذکر والا بندہ اس سامنے والے بندے کے مفاد کو اللہ کی رضا کے لیئے پورا کرکے اس ذکر کا صدقہ دیتا ہے، ذکر والا بندہ اپنے آس پاس کے لوگوں کی بناوٹی حرکتیں پہچان لیتا ہے اور پھر ان کو درگزر کرکے وہ اپنے ذکر کا صدقہ دیتا ہے اور ایسے جو جو بھی راز آشنا ہوتے

جاتے ہیں، وہ ذکر والا بندہ ان سب چیزوں کو برداشت کرکے ذکر کا صدقہ ادا کرتا ہے، ان کے کام پورے کرتا ہے، اللہ کی رضا کو پہچان کر اللہ کو راضی کرنے کے لیئے وہ سب کچھ کرتا ہے، چاہے اسے کوئی بیوقوف کہے، پاگل کہے یا کیسے بھی بہتان لگائے، وہ بندہ ہر چیز سے آگاہ، ہر چیز سے آشنا ہونے کے باوجود بھی سب کو ان کے مطابق پورا کرکے دیتا ہے جو کہ اس کے ذکر کا صدقہ ہوتا ہے اور مرید یہ سوچ کر صدقہ دیتا ہے کہ یااللہ تُو نے مجھے سامنے والے کا مقصد سمجھنے کی توفیق دی، تیرا شُکر ہے، اب اس کا مقصد بھی تیری رضا کے لیئے پورا کروں گا، تاکہ جب میں اس کا مقصد پورا کروں تو وہ بھی تیرا شُکر ادا کرے، یہ ہی ذکر کی سیڑھی ہے جو تمہیں آگے بڑھائے گی، اس شعر میں شاکر نمانا صاحب مرید حضرات کو آگے بڑھنے کا فارمولا بتا رہے ہیں، جس پر عمل کرکے مراحل طے کیئے جاسکتے ہیں۔

شمع کے پروانے جل کر ضائع نہیں ہوتے!!

شعر3:۔

پروانوں کا تو پتہ نہیں، جل کر ہوتے ضائع ہیں یا جمع جلال کے پاس ہو جاتے ہیں
شاکرؔ کا شعور اتنا ہے کہ شمع کا کام کر جائے، روشن اپنا نام کر جائے

تشریح: پاپا جی نے اس شعر میں عشق والوں کو پروانے کہہ کر پُکارا ہے جو عشق والے خالق کائنات سے عشق کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں، وہ اپنا سب کچھ لٹا کر عشق کی آگ میں جلتے ہیں اور جل کر بھی ضائع نہیں ہوتے، مزید اللہ کو معلوم، اللہ

بے پرواہے اور ہمیں تو معلوم نہیں ہے، ہم میں اتنا شعور نہیں ہے کہ یہ پرکھ سکیں کہ وہ اللہ کے پاس قابِل قبول ہیں یا نہیں؟ اور نہ ہم میں یہ سمجھنے کی سکت ہے کہ عشق میں کیسے جلا جاتا ہے، اپنے آپ کو کیسے قربان کیّا جاتا ہے؟ اِن سب باتوں کا شعور ہمارے پاس نہیں ہے، ہمیں تو صرف اتنا پتہ ہے کہ جو شریعت ہے، حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے ہیں، ان پر عمل کر کے آگ نہیں تو روشنی کا کام ہی کر جائیں، یہ ان لوگوں کے لیئے نصیحت ہے جو پہلی سیڑھی پر بھی نہیں ہیں، انھیں جلنے کا معلوم نہیں تو کم از کم شروعات کرنے کی اُمنگ تو پیدا ہو کیونکہ آگ میں جلنے کی بات تو عروج کی ہوتی ہے، جو کہ پہلی سیڑھی کے مسافر نہیں سمجھ سکتے تو شروعات والوں کو نصیحت ہے کہ اگر اس عروج پر تم نہ بھی پہنچ سکتے تو تم پہلی سیڑھی پر چڑھ کر، شریعت پر عمل کر کے روشنی کا کام تو کر سکتے ہونا، اس لیئے مصنف صاحب شروعات کے لوگوں کو آگے بڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں، حوصلہ دے رہے ہیں کہ ہر سیڑھی پر چڑھنے کے بعد روشنی ہے، عشق کی آگ میں جلنا ہے اور یہ کام بے حد مشکل تو ہے، لیکن وہاں تک بھی اللہ ہی پہنچاتا ہے، تم شروع تو کرو، اگر آگ نہیں تو اگلے جہاں میں اپنے لیئے روشنی کا چراغ ہی لے جانا، جو کہ اندھیرے یا کچھ بھی نہ لے جانے سے بہت بہتر ہے۔

ویسے پیسے کھوسے، کیا ایسے حشر میں ساتھ تیرے ہونگے
وسوسے اب سے ایسے اور کیسے کیسے، جیسے حشر میں نشر تیرے ہونگے

بنیاد کی یاد (غور و فکر)

شعر4:۔

معلوم کر تیرے مالک نے عالمِ اوراح میں کیا معاملہ طے کیا تھا
الہام تو تجھے ہو جاتا ہے، اللہ سے کیئے وعدوں کا، لیکن خود ابہام پیدا کرتے ہو

تشریح: اس میں پاپا جی ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو کہ اس دنیا میں آنے کے مقصد کو سمجھ جاتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں کیوں بھیجے گئے ہیں؟ لیکن لوگوں کی باتوں کی وجہ سے یا جو رکاوٹیں ان کو درپیش آتی ہیں، ان کا سامنا کرنے کے بجائے، وہ ابہام کو پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے مقصد سے غفلت کر جاتے ہیں، تو شاعر صاحب اس شعر میں اُنھیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ اس ابہام کو در گزر کرو، کیونکہ جب تمہیں پتہ چل گیا ہے یا اندازہ ہو گیا ہے کہ تم نے عالم ارواح میں اللہ پاک سے کیا وعدہ کیّا تھا تو سمجھ لو کہ اب بس اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت ہے، ورنہ یہ ابہام تجھے مروائیں گے، اِس جہاں میں بھی اور اُس جہاں میں بھی، کیونکہ جب اللہ پاک نے تجھے وعدہ یاد کروایا ہے تو اب مدد بھی وہی کرے گا، جس کا تجھے اندازہ نہیں ہے اور پھر تیرے بہانے بے وزن، بے وجہ ہونگے تو اس لیئے وعدہ پورا کرنے میں رکاوٹیں ضرور آئیں گی، معاشرہ تمہیں اپنی طرف کھینچے گا اور روح تمہیں اپنے وعدے کی طرف کھینچے گی، اگر تم نے روح کی بات نہ مانی اور وعدہ پورا نہ کیا تو تم مردہ کہلاؤ گے، اس لیئے بہتر ہے کہ اپنے وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کرو اور کھڑے رہو، تاکہ تمہاری روح زندہ رہے اور تم بھی زندہ رہو، اس جہاں میں بھی اور اُس جہاں میں بھی، یہ بات شاکر نمانا صاحب اس شعر میں سمجھانا چاہ رہے ہیں اور ان لوگوں کو صحیح فیصلہ کرنے

میں مدد کر رہے ہیں، جو کہ معاشرے میں گم ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں، ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں اپنا مقصد پورا کرو اور زندہ ہو جاؤ، اللہ پاک انسان کو اپنا وعدہ یاد کروانے اور اپنی طرف رخ کروانے کے لیئے کبھی کبھی ایسے بھی کرتا ہے کہ مثال کے طور پر یہ ایک واقعہ ہے کہ رات کے طوفان سے چڑیا کا گھونسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو چڑیا اللہ سے شکایت کرتی ہے کہ یا اللہ! اس طوفان سے میرا گھونسلہ ٹوٹ گیا، اب میں کہاں جاؤں؟ پھر ایک آواز آتی ہے کہ اے چڑیا! رات کو جب تم سو رہی تھی، اس وقت تمہارے گھونسلے میں ایک سانپ گھس آیا تھا اور تمہیں جگانے کے لیئے میں نے طوفان بھیجا۔

تو اس واقعہ کا روحانی نوٹ یہ ہے کہ اللہ پاک کو سانپ سے کوئی غرض نہیں ہے، اللہ پاک تو اس چڑیا کو اپنی طرف بلانا چاہتا ہے، وہ چڑیا اللہ کی طرف آنے کی مسافر ہے اور پھر اس راستے میں بے شمار درد، دُکھ، کانٹے دار جھاڑیاں اور خطروں کے انبار ہیں، جن پر چل کر ہی اللہ کی طرف آیا جا سکتا ہے، یہ سارا الٹا چکر ہے، اللہ کی طرف جانے کا یہی راستہ ہے، وہ سانپ آنا، یہ سب تو ایک پہلو ہے، اصل میں یہ آزمائش تھی، کیونکہ اللہ جب انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے تو ایسے ہی ہوتا ہے اور اللہ کی طرف جانے کا صرف یہی راستہ ہے، اس لیئے انسان کو چاہیے کہ اپنے ابہام کو ہٹا کر، اپنے وعدے پر کھڑے ہو کر راستے کو طے کر لے، تاکہ منزل پر پہنچ سکے اور اپنا کیّا ہوا وعدہ پورا کر سکے، جو کہ اللہ نے اسے یاد کروا دیا ہے یا کچھ نشانیاں عطا فرما دی ہیں کہ تیرا دنیا میں آنے کا کیا مقصد ہے؟ اب دیر نہیں کرنی چاہیے، سب شکوے شکایت چھوڑ کر اپنی راہ اور سانس کی پیمائش کرنے میں شروع ہو جانا ہے۔

دین کا درس، دَور کے حساب سے!

شعـــر5:۔

دوست کو دنیا سے دور رہ کر دین کا درس نہ دو
دنیا میں رہ کر ہی دین درست ہوتا ہے، دنیا کے اندر ہی دین پر چلتے رہو

تشریح: اس قول میں پاپا نصیحت فرمارہے ہیں کہ دین کو دنیا سے الگ کر کے نہ سمجھاؤ اور دین کو کوئی الگ عمل نہ بتاؤ، کیونکہ ایسے تو عمل کرنے والے پریشان (Confuse) ہو جائیں گے کہ وہ کیا کریں؟ اس لیئے کہ رہنا دنیا میں ہے اور دنیا میں دین کی راہ کا بچھونا (راستہ) کٹھن ہے تو وہ عمل کرنے والا انسان کیسے عمل کرے گا اور پھر ظاہر ہے جب اسے رہنا دنیا میں ہے اور دین کوئی الگ عمل لگے گا تو جھنجلاہٹ میں وہ دنیا کو ہی گزارے گا، دین کو چھوڑ دے گا، تو شاکر نمانا صاحب یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ دین کی بات سمجھاتے ہوئے صرف دین کو ہی نہ سمجھاؤ کہ دین کیا ہے؟ بلکہ پہلے خود دنیا میں رہتے ہوئے دین کی باتوں پر عمل کر کے، سب کو عمل کرنا سمجھاؤ کہ دنیا میں دین پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ گُر بتاؤ کہ عمل کے کیا طریقے ہیں اور تبلیغ کرنے کے کون سے سلیقے ہیں۔

اب مثال کے طور پر آپ عالم ہو، آپ کے پاس کوئی اور کام نہیں ہے، آپ کو علم بتانے کے پیسے بھی ملتے ہیں، گھر کا خرچ بھی اس ہی سے چل رہا ہے، جس کی وجہ سے آپ آرام سے تبلیغ کر سکتے ہو، لیکن جو عمل کرنے والا انسان ہے، اسے تو گھر کا خرچ، پیٹ کی بھوک، بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیئے نوکری کرنی پڑتی ہے تو اس میں اس کو نماز پڑھنے کا ٹائم کیسے مِلے گا اور رشوت، جھوٹ، چوری جیسی

برائیوں سے بچنے کے طریقے کون سمجھائے گا؟ صرف یہ کہہ دینا کہ یہ سب بری باتیں ہیں، یہ کوئی سکھانا تو نہ ہوا، یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ خود دنیا سے دور رہ کر صرف بات ہی کر رہے ہو اور ماضی کے قصے سُنا سُنا کر دین بتا رہے ہو، دین ایسے نہیں سمجھ آئے گا، یہ آج کے دَور کے حساب سے ممکن نہیں، کیا آج کے دَور میں ان طریقوں سے نماز قائم ہو سکتی ہے؟ قرآن میں کیا لکھا ہے؟ پھر انسان نے ایسے عمل کیا اور اسے کس طریقے سے دنیا میں رہ کر ہی دین پر چلنے کا سلیقہ قرآن کے فرمان کے مطابق حاصل ہوا، تو آپ بھی ایسے ہی عمل کرو، یہ طریقہ ہے دنیا میں رہ کر اپنے دین پر عمل کرنے کا، مصنف صاحب اس شعر میں یہی نصیحت کر رہے ہیں۔

آج کی بات

آج انسان کی رہنمائی کے لیئے سچ کہنا ایسا ہے، جیسے ایسے میدان میں جا کھڑا ہو، جہاں چاروں طرف سے الزاموں اور تہمتوں کے تیر برس رہے ہوں، لیکن شاکر صرف شرک شرک کیوں کرے، شریعت کی طریقت کو حقیقت کے ذریعے معرفت کی زبان سے دے کر جہالت کے اندھیرے میں روشن مشعل کیوں نہ جلائے؟؟

نوٹ:۔ اس میں شاکر نمانو صاحب نے میدان کا جو ذکر کیا ہے، وہ فیس بک اور سوشل میڈیا کا کہا ہے۔

ناتواں ہے جسم میرا اور ہر طرف کالی آندھی ہے جھوٹ کی
کیا جج، کیا حکمران، سب کے اندر ہے بحران، کسے پڑی ہے مجرم کی چھوٹ کی

آس کی پیاس

شعر6:۔

اپنے آپ کو بِنا شرائط کے شریعت کے سُپرد کردے، یہی ہے میری آس
ورنہ زندگی میں صرف کاش رہ جائے گا، یا بس یہی سوچتا رہ جائے گا کہ یہ کرتا کاش
خود کچھ جمع نہ کر اپنے پاس، خود جمع ہوجا کسی نہ کسی کے پاس

تشریح: اس شعر میں شاکر نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ جو حضور پاکؐ فرما گئے ہیں، ان پر آنکھ بند کرکے عمل کرو، اس حکم وہدایت پر اپنی شرائط نہ رکھو یا کوئی بھی بہانے نہ بناؤ، اس ہی میں تمہارا چھٹکارا ہوپائے گا، ورنہ وقت گزرنے کے بعد پچھتاتے رہوگے کہ کاش میں ایسے کرلیتا، کاش میں ویسے کرلیتا، اِن سب کے علاوہ پھر انسان کے پاس کچھ نہیں بچتا، اس لیئے ابھی بھی سوچنے کا وقت ہے، کیونکہ تمہارے پاس حکمت اور علم تو نہیں ہے تو تم راستے کو گزارنے کے طریقے کہاں سے لاؤ گے؟ اگر تمہارے پاس راستے گزارنے کے طریقے ہیں تو وہ اوروں کو بھی سکھاؤ اور اگر تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ کیسے گزارنا ہے تو کسی نہ کسی کے پاس جمع ہوجاؤ، یعنی مرشد کرلو، پھر جو مرشد کہے اور جیسے کہے، ویسے ہی کرو، کیوں۔ پر۔ اگر۔ مگر نہ کرو، کیونکہ تمہیں تو راستے کا پتہ ہی نہیں، لیکن جسے پتہ ہے، جو گزر کر آچکا ہے، اس پر آنکھ بند کرکے یقین کرلو وہ تمہیں راستے سے گزاردے گا اور شریعت کے عین مطابق سمجھادے گا، جس سے تیرا چھٹکارا بھی ہوجائے گا، یہ مصنف صاحب پرہیز کی بات سمجھارہے ہیں کہ مرشد کے ساتھ کیسے رہنا ہوتا ہے؟ اگر تمہیں دنیا میں دین پر چلنا ہے اور آخرت کی منزل میں بھی پاس ہونا ہے تو بغیر شرائط کے پرہیز کرو۔

حسرت بے حساب

شعر7:۔

حسرت پوری ہونے پر کیا مسرت، حشر کے حساب کا حجم ہی بڑھ جائے گا
اگر اصل حقیقت حاصل ہو جائے تو زندگی کا ہدف آسان ہو جائے گا

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب فرما رہے ہیں کہ اس دنیا میں انسان کے اندر حسرتوں کے انبار ہیں، ایک خواہش ختم ہوتی ہے تو دس مزید بڑھ جاتی ہیں اور انسان ان کو پورا کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہے، لیکن خواہشات کو پورے کرنے میں کس بات کی خوشی ہے؟ کیونکہ جو بھی خواہش پوری ہو گی تو اس کا حساب بھی تو آخرت میں دینا پڑے گا، جبکہ انسان اس حقیقت کو بھول بیٹھا ہے کہ حشر کے دن کو حساب کتاب ہو گا اور اس میں تمہاری خواہشات جو پوری ہوئی ہیں، ان کا حساب بھی تمہیں دینا ہو گا، تو شاعر صاحب فرما رہے ہیں کہ ایسی خواہش پوری ہونے پر کیا خوش ہوں، جس کا آخرت میں وزن ہی بڑھ جائے گا، لیکن جو حقیقت ہے، اگر انسان کو وہ حاصل ہو جائے اور انسان اِن سب حقائق کو پہچان لے اور اس کے اندر میں جو نور بسا ہے، وہ اسے مل جائے تو انسان ہر چیز سے آشنا ہو جاتا ہے اور پھر اس دنیا میں جو اس کا مقصد ہے، اس کو پورا کرنے میں آسانی ہو جائے گی، اس طرح آدمی کو جب اس دنیا میں ہر کام کے حساب دینے کی فکر آجائے گی تو اسے اپنے مقصد اور اپنی منزل کو حاصل کرنے میں آسانی ہو جائے گی اور کہیں بھٹکنے سے بچ جائے گا!!!

وقت کی سکت

شعر:

بازار سے بنے بنائے ملتے ہیں ٹھگی کے جال، تم کو بُننے کی نوبت نہ آئے گی
بجھ جاتی ہے بتّی بجھنے کے وقت پر، گھنٹی سُننے کی بھی نوبت نہ آئے گی

تشریح: اس شعر میں شاکر نمانا صاحب آج کے دَور کو دیکھتے ہوئے ہوشیار کررہے ہیں کہ آج جھوٹ، فریب، ٹھگی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کو بنانے کے لیئے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، ان گناہوں کو کرنے کے لیئے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، یہ آج اتنی مقدار میں بڑھ گئی ہے اور اتنی آسان ہے کہ قدم قدم پر آپ کا ٹکراؤ ایسے ہی گناہوں سے ہو جائے گا، گناہ کے وسائل اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ اب گناہ بکتا ہے، ہر قدم پر، ہر بازار میں ملنا شروع ہوگیا ہے، تو آج کے دَور کے حساب سے ان گناہوں سے بچ جانا بھی نیکی ہے، اِن سے بچ کر ہی چلنے میں بھلائی ہے اور اس شعر میں شاعر صاحب ہوشیار کررہے ہیں کہ ایک دن مرنا تو سب کو ہی ہے اور موت کسی بیماری یا حادثے کی منتظر نہیں ہے، وہ اپنے مقرر وقت پر آئے گی اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا، اس لیئے بہتر ہے کہ احتیاط سے کام لو اور اپنے قدم کو سنبھال کر رکھو، کہیں ایک ذرہ سی غلطی سے تیرے حساب کی کتاب میں اضافہ نہ ہو جائے، تو اس لیئے ہر صورت احتیاط کرو۔

عین الیقین

شعر9:۔

مجاہدے کے دیس سے آنے والے، مشاہدے کی بستی میں قیام نہیں کرتے
یقین میں دیر تو ہوتی ہے، اندھیر نہیں اور سچ کی صبح رہتی ہے، شام نہیں ہوتی

تشریح: اس میں شاکر نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ جو طریقت کے مقام پر ہوتے ہیں، وہ شریعت کے کام نہیں کر سکتے، مثال کے طور پر جو دسویں کلاس کا شاگرد ہے، وہ پہلی کلاس کی کتاب نہیں پڑھے گا؟ کیونکہ وہ پہلے پڑھ چکا ہے اور ہمیشہ پہلی ہی کلاس میں بھی نہیں رہ سکتا، اب اگر پہلی کلاس کے بچے دسویں کلاس کے شاگرد کو اپنی کلاس میں آنے کا کہیں گے تو وہ نہیں جائے گا، ایسے ہی جو طریقت کے مقام پر ہیں، وہ شریعت پر کھڑے لوگوں کی نہیں سُنتے اور شریعت والے طریقت کے مقام پر کھڑے لوگوں کی کتابیں نہیں سمجھتے، شریعت والے نہیں سمجھ سکتے کہ طریقت کے مقام پر الگ عمل کرنا ہوتا ہے، شریعت کے مقام پر پانچ وقت کی نماز ہے تو طریقت کے مقام پر چوبیس گھنٹے کی نماز ہے، یہ کام ایسے الگ ہیں اور پھر شاعر صاحب فرمارہے ہیں کہ جو یقین کی منزل پر ہیں، یعنی جو اللہ پر توکّل رکھتے ہیں، عین یقین رکھتے ہیں، ان کو اس منزل پر پہنچنے میں دیر تو ضرور ہو جاتی ہے، لیکن کبھی اندھیرا نہیں ہوتا اور انسان ہمیشہ سچ پر کھڑے رہنے سے صبح کی روشنی کی طرح روشن رہتا ہے اور ہمیشہ سکون میں رہتا ہے۔

دھول کی دُھند

شعر:

پہلے دلائل علم کی دنیا میں، دلدل سے نکالتے تھے
آج دولت دِکھا کر دنیا میں جھوٹ کا دھواں کان میں اور دھول کا دھواں آنکھ میں پھونک دیتے ہیں

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب آج کے دَور کی بات بتارہے ہیں کہ آج لوگوں کے دل و دماغ بند ہو چکے ہیں اور دولت کی ہوس میں مشغول لوگ انصاف بھول گئے ہیں، پہلے کے دَور کی بات کا بھی ذکر کیاؔ ہے کہ پہلے کے دَور میں دلائل کا اتنا وزن تھا، دلائل کی روشنی اتنی چمکدار تھی کہ وہ انسان کو انصاف دلواسکتی تھی، دلدل سے نکال لیتی تھی، مطلب کہ دلائل کا اتنا بڑا عروج تھا اور آج دولت دِکھا کر لوگ جھوٹ خرید لیتے ہیں اور انصاف بیچ دیتے ہیں، دلائل دَبا دیتے ہیں، آنکھیں بند کر لیتے ہیں، کانوں سے بہرے ہو جاتے ہیں اور ان کے دل بھی بند ہو جاتے ہیں، لوگ دولت میں اتنے گم ہوگئے ہیں کہ آج صرف دلائل سے ان کا کام نہیں بنے گا، اگر تم دلائل لے کر دَر دَر جاؤ گے تو ٹھوکر ہی لے کر آؤ گے، یہ آج کے دَور کی بہت افسوس کی بات ہے۔

مومن کا محبوب معبود اور معبود کا محبوب محمدؐ ہے
دونوں کی سمجھ ٹھیک ہے، لیکن عشق کے بازار میں حسد ہے
جس مُحب کا محبوب محمدؐ ہو، اُس محبوب کے مُحب سے ہم کو محبت ہے

اُلجھ میں سُلجھ!

شعر 11:۔

مشکل اور مصیبتوں کے قصیدوں کو بتاکر، خود کو ہی اُلجھاتے ہو
مر مر کر جیتے ہو، مشکل کو سہاروں کے ساتھ سیتے ہو، کسی کو بتا کر مسئلہ اور اُلجھاتے ہو
تم بات سے ہی بات کو سلجھاتے ہو، نا کہ دل و دماغ سے سُلجھاتے ہو

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب فرما رہے ہیں کہ انسان ہمیشہ اس گمان میں رہتا ہے کہ اگر وہ اپنی مشکل کسی کے ساتھ بانٹ لے گا تو اس کا دل ہلکا ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہو تا آپ کسی اور کو اپنے مسئلے کے بارے میں بتا کر اپنے اندر ایک اور الجھن پیدا کر لیتے ہیں کہ اب یہ بندہ جس کو میں نے اپنا مسئلہ بتایا ہے، یہ اب اس مشکل کو میری کمزوری نہ سمجھ لے یا پھر یہ کسی اور کو میرے مسئلے بتا کر، مجھے زمانے میں کمزور یا بدنام نہ کرے تو ایسے ایسے وسوسے ہم خود ہی اپنے لیئے پیدا کر لیتے ہیں، کیونکہ کسی کو بتانے سے مسئلہ حل نہیں ہو تا، بلکہ مسئلے میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے آپ اپنے مسئلے کے وزن کو بڑھا لیتے ہو، شاعر صاحب اپنے اس شعر میں ہمیں یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ اگر مسئلہ اندر کا ہے تو حل بھی اندر ہی ہو گا، اندر کا مسئلہ باتیں کرنے سے نہیں سُلجھ سکتا، بلکہ اپنے دل اور دماغ سے اندر کے مسئلوں کو سُلجھایا جا سکتا ہے، کیونکہ اگر اُلجھن اندر ہے تو سُلجھن باہر کیسے ہو سکتی ہے، سُلجھن بھی اندر ہی ہو گی، اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لیئے کہ جب مسئلہ اندر ہے تو اندر کے دل و دماغ کو دوڑاؤ، اوروں کے آگے زبان نہ چلاؤ، کیونکہ اس سے آپ اپنی مشکل کو مزید بڑھا لیتے ہو، اس لیئے خاموشی سے، دُعا سے اندر میں ہی اپنی اُلجھن سُلجھاؤ، اللہ سب کو ہدایت دے اور اللہ سب پر رحم فرمائے۔

شُکر کے شریان

شعر12:۔

دوزخ جنّت میں خواہمخواہ گھسنے کی کوشش کرتے ہو
تیری کوشش ہی ذمے ہے، ورنہ بس میں تو یہ بھی نہیں ہے
تجھ سے کوشش بھی نہ چھین لی جائے، اس سے پہلے شُکر کر

تشریح: شاعر صاحب اس شعر میں شُکر کرنے کے طریقے اور اسباب بنانے کی بات کر رہے ہیں کہ انسان کو ہر کام میں اللہ پاک کا شُکر ادا کرنے کے لیئے بہانے ڈھونڈنے چاہئیں جہاں، جیسے موقع ملے، انسان کو چاہیے کہ شُکر کرے اور اپنے ہر کام میں اللہ کا شُکر ادا کرنے سے اللہ کی طرف سے آنے والے موجودگی کے احساس کو محسوس کرنے کی خوشی منائے اور وہ خوشی شُکر ادا کرنے سے ہی منائی جاسکتی ہے اور شاکر نمانا صاحب انسان کو نصیحت کر رہے ہیں کہ جیسے انسان خواہمخواہ صرف وہ کام کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے اسے جنّت ملے اور وہ کام بھی کرتا رہتا ہے، جس سے جہنم ملے، لیکن اِن کے علاوہ بھی ایک منزل ہے جو انسان بھولے بیٹھا ہے، وہ ہے جنّت اور جہنم کو چھوڑ کر اللہ کو حاصل کرنے کی، اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کی جستجو کی جائے، لیکن انسان صرف انھی کے درمیان پھنسا ہوا ہے، پھر شاعر صاحب اس بات میں بھی شُکر ادا کرنے کے مواقع ڈھونڈ لائے کہ انسان کے بس میں بھی صرف کوشش کرنا ہی ہے، کوشش کے علاوہ انسان کچھ کر بھی نہیں سکتا، اس لیئے اس بات کا بھی شُکر ادا کرو کہ اللہ پاک نے تمہیں جنّت اور جہنم میں فرق سمجھایا ہے،

تمہیں اچھے بُرے کا پتہ ہے اور تم اچھائی کی طرف جانے کی کوشش کر رہے ہو، اگر اللہ پاک تم سے کوشش کرنے کی بھی سمجھ چھین لے تو پھر کہاں جاؤ گے، کیا کرو گے؟ اس لیئے شُکر ادا کرو کہ اللہ نے تمہیں کوشش کی حلاصیت بھی دی ہے اور سمجھ بھی عطا کی ہے، تبھی تو کوشش ہو رہی ہے، ایسے اللہ کا شُکر ادا کرنے کے بھی مواقع ڈھونڈو اور مزید شُکر ادا کرو۔

بُوٹی کی بات

شعر13:۔

کٹاوہ ہے، جس کی چوٹی ہوتی ہے، بڑھا ہوا ہی گرتا ہے اور عشق میں جسم کی بوٹی بوٹی ہو جاتی ہے
پودے کی چوٹی نہیں ہوتی، اس میں پھّلی اور جڑی بُوٹی ہوتی ہے، وہ اندر میں بڑا اور باہر میں چھوٹا ہوتا ہے

تشریح: اس شعر میں پاپا دنیا والوں کو سمجھا رہے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ جو بڑا ہو، وہ بڑھا ہوا بھی ہو، انسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر بڑا آدمی ہو گا تو اس کے پاس بے شمار دولت بھی ہو گی، عیاشی بھی ہو گی اور وہی بڑا آدمی ہے، یہ کوئی بڑا آدمی نہ ہوا، کیونکہ یہاں پر پرہیز کرنے کا مقام ہے، شاعر صاحب بڑے لوگوں کو پرہیز کرنے کا کہہ رہے ہیں کہ ظاہر میں اتنا نہ بڑھو، کیونکہ جو بڑھا ہوا ہوتا ہے یا جس کی چوٹی یعنی اونچائی ہوتی ہے، وہ کٹتا بھی ضرور ہے، عروج کا زوال تو ایک لازمی بات ہے، لیکن جو عشق والے ہوتے ہیں، ان کا اندر کا عروج ہوتا ہے، ان کا زوال نہیں ہوتا، ان کے اندر کے عروج میں ان کا ایک ایک عضو زخمی ہوا ہوتا ہے اور وہ انسان عشق کے سفر میں نوکیلی کیکوں، کانٹوں، آگ، پتھر، اندھیر نگری، کھاردار جھاڑیوں

سے ہوتا ہوا عشق کی منزل پر پہنچ جاتا ہے، پھر ایک بُوٹے (پودہ) کی مانند ہو جاتا ہے، جیسے پودہ دیکھنے میں تو چھوٹا سا ہوتا ہے، لیکن جو حکیم ہوتے ہیں، سائنسدان ہوتے ہیں، وہ اِن پودوں کی تحقیق کرتے ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ اِس پودے میں بے شمار بیماریوں کا علاج ہے اور پھر اس پودے سے، جڑی بوٹی سے پھکّی بناتے ہیں تو ایسے وہ بظاہر چھوٹا ہوتا ہے، لیکن اندر میں بڑا ہوتا ہے، اس طرح بڑے بننے کی کوشش کرو، جس بڑے ہونے سے تم خود بھی فائدہ حاصل کرو اور اوروں کے لیئے بھی فائدے مند ہو جاؤ، ایسے اپنے اندر سے بڑھو، باہر کے بڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، وہ تو ایک نہ ایک دن کٹ جائے گا، اس لیئے اندر کے عروج کو حاصل کرو۔

اپنے اندر کی خاموشی کے لیئے کسی اور کے آنگن میں شور نہ کرو
ورنہ تیرے اندر کے شور سے، خود کو بھی نہ سُن سکوگے

میرے مالک کا محبوب محمدؐ ہے
مومن کچھ ایسے ہیں، کیوں اللہ سے پہلے نام احمد ہے

مومن سب ہیں، کوئی محبوب کو پہچانے تو کوئی پہچان سے دُور ہے
ہیں سب مُحب اور محبوب کو ایک جاننے کے فکر میں، سب کا یہی مقصود ہے

تمہاری جو حیثیت ہے، وہ ہی دکھاؤگے ابھی
تجھے بھی سب اپنی حیثیت دکھاسکتے ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی

پیچھے کی آنکھ

شعر 14:۔ ذکر فکر والے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے اُن کے پیچھے سے کوئی آنکھ تکتی رہتی ہے جو فقیر نے فکر سے دی ہے۔

تشریح: جو ذکر فکر والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے فیصلے پر مضبوط کھڑے رہتے ہیں، وہ اپنے کام پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اس کے بعد کوئی انھیں چاہے کتنی بھی ورغلانے کی کوشش کرتا رہے کہ وہ غلط ہیں یا ان کے فیصلے سے نقصان ہو جائیں گے لیکن وہ کھڑے رہتے ہیں اور وہ اس لیئے کھڑے رہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنا ہر قدم رکھنے سے پہلے ہر ہقت اللہ کو شامل حال رکھتے ہیں اور اپنے ہر قدم پر بے شمار ذکر کے ساتھ فکر کر چکے ہوتے ہیں، وہ لوگ دور اندیشی اور دَور اندیشی کی حکمتوں کو کھینچ لاتے ہیں اور افکار کے سمندر سے موتی ڈھونڈ لاتے ہیں، اس کے بعد ہی کسی قدم کو بڑھاتے ہیں اور پھر وہ پختگی اختیار کر لیتے ہیں، یہ سب ان کے مرشد کی عطا ہوتی ہے، جس ذکر سے وہ اپنے فیصلے پر کھڑے رہنے کی ہمت رکھتے ہیں، شاعر صاحب اس شعر میں ذکر فکر والوں کو مزید اپنے فیصلوں پر پختگی اختیار کرنے کی تلقین دے رہے ہیں کہ اپنے ذکر پر یقین رکھو اور اللہ پر توکّل رکھو، اس کے ساتھ عام لوگوں کو سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ ذکر فکر والے ضدی نہیں ہیں، بلکہ تمھیں انتظار کرنے کی ضرورت ہے، انھیں وقت دو پھر تمھیں بھی ان کے فیصلوں کے نتیجے نظر آجائیں گے، لیکن اُس وقت سے پہلے ذکر والوں کو پریشان مت کرو، اپنے وقت پر نتیجے آنے کے بعد تم بھی ان کے فیصلے سے راضی ہو جاؤ گے، صرف صبر رکھو اور جیسے ذکر والے کہیں، ویسے کرتے جاؤ۔

اللہ کی طلب

شعر 15:۔

دوا کا بھی دستور ہوتا ہے، جب حکیم دے، تب حاکم حکم شفا کا دیتا ہے
دین کا دستور قرآن میں ہے، لیکن دین و دنیا میں جب تک نفع کا دوست نہ سمجھائے
دل میں دم بھر داتا کا اور دائم کر دل میں دوا اور دُعا، پھر ہی مرض کو رفع کا حکم ہوتا ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب اللہ پاک سے رابطہ قائم کرنے کی بات کررہے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی بھی چیز، کوئی بھی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا، اس لیئے بجائے کے چیزوں کا محتاج بنو، ایک اللہ کا محتاج ہو جاؤ، اس ہی سے دُعا مانگو، اس ہی کی جستجو کرو، اس ہی کو شامل حال رکھو کہ وہ ہی آپ کے سارے حال میں شامل رہے اور اگر کوئی کام کسی حیلے بہانے سے کرنا ہے تو اس حیلے بہانے کے وسائل بھی وہ خود بنائے اور ان بہانوں کو حکم دے کہ وہ آپ کی مدد کریں، جیسے کہ شاعر صاحب فرمارہے ہیں کہ " دوا کا بھی دستور ہوتا ہے، یعنی جب حکیم دوا دے، تب حاکم دوا کو شفا کا حکم دیتا ہے" تو مطلب اگر آپ کو مرض ہو گیا ہے یا کوئی مسئلہ ہے، جس کے لیئے آپ دوائی لے رہے ہو تو اس دوا کا یہ دستور، یعنی رواج ہے کہ جب کوئی حکیم یا ڈاکٹر اس دوائی کو اپنے مریض کو دے گا تو اس کے بعد حاکم یعنی اللہ پاک جب تک اس دوائی کو حکم نہ دے کہ وہ شفا دے دے، تب تک وہ دوا تمہیں شفا یعنی آرام نہیں دے گی، اس لیئے شفا بھی اللہ سے مانگ، تاکہ اللہ دوا کو شفا کا حکم دے، پھر شاکر نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ " دین کا دستور قرآن میں ہے، لیکن دین و دنیا میں جب تک نفع کا دوست نہ سمجھائے " تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ہمارا دین ہے، اس کے بارے میں ہماری رہنمائی کے لیئے قرآن پاک اتارا گیا ہے، لیکن وہ پوری

کائنات کے لیئے ہے اور اس میں پوری کائنات کا حصّہ ہے، تو مطلب اس میں تمہیں اپنا حصّہ ڈھونڈنا ہو گا کہ اللہ پاک نے پوری کائنات کے بندوں میں سے تمہارے لیئے کیا رہنمائی عطا فرمائی ہے؟ جس کو حاصل کر کے تم اپنے ہر مسئلے کا حل نکال سکتے ہو، اب یہ رہنمائی حاصل کرنے کے لیئے بھی کوئی دوست حاصل کرنا ہو گا، یعنی مرشد کو حاصل کرنا ہو گا جو کہ آپ کو اس دنیا میں دین کی رہنمائی حاصل کرنے کے گُر عطا فرمائے گا اور تمہیں تمہارے نفع کی یعنی فائدے کی بات سمجھائے گا، تمہارے تمہارے دماغ کے پردوں کی چابی عطا کر کے تمہیں خزانچی بنادے گا اور وہ چابی ہے "اللہ کا ذکر" جس سے دل و دماغ کا ہر پردہ اٹھ جاتا ہے، ہر دروازہ کھل جاتا ہے، تم اپنی ضروریات اور پھر اوروں کی بھی ضروریات کی اشیاء وہاں سے حاصل کر سکتے ہو، پھر شاکر نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ "دل میں دَم بھر داتا کا اور دائم کر دل میں دوا اور دُعا" جیسے کہ میں نے ابھی بتایا کہ اللہ کا ذکر دل میں کرتا جا اور اللہ پاک کو اپنے دل میں دائم کر لے، پھر فرمایا ہے کہ "پھر ہی مرض کو رفع کا حکم ہوتا ہے" یعنیٰ دوائی کو اللہ حکم دیتا ہے اور وہ دُعا بن کر تمہیں لگتی ہے اور جو بھی تمہارا مسئلہ ہے، اس مسئلے کو اللہ پاک حکم کرتا ہے کہ یہاں سے چلا جا، یہ بندہ آزمایا جاچکا ہے، پھر اللہ پاک اس دوا کو حکم دیتا ہے کہ وہ تجھے شفا دے اور پھر شفا ہو جاتی اور تمہیں راحت مل جاتی ہے۔ ایسے شاکر نمانا صاحب اللہ پر توکّل کی بات کر رہے ہیں کہ وہ "عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" ہر چیز پر قادر ہے، اگر وہ دوائی کو حکم نہ کرے تو دوائی بھی تمہیں شفا نہیں دے گی، تم دوائی کی شفا کے لیئے بھی اللہ کے محتاج ہو، اس لیئے اللہ پر ایمان اور یقین رکھ کر اللہ سے اللہ کو طلب کرو۔

اللہ سچا دوست

شعر16:۔

دل جمعی سے اگر نام اللہ کا لوں تو بات ہی بن جائے
جیسے اپنے گوٹھ کے وڈیرے کو یات کرتے ہیں کہ بات بن جائے

تشریح: اس شعر میں پاپا جی اللہ پاک سے تعلق کی بات کر رہے ہیں کہ جیسے جب انسان مسئلوں میں گھرا ہوتا ہے اور خوف میں ہوتا ہے تو اسے اپنے گاؤں کے وڈیرے یاد آتے ہیں کہ وہ کونسا شخص ہے، جس کی خوب رسائی ہو، تعلقات ہوں اور اُس کے پاس جاکر میرا مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہر انسان اپنے اس بُرے وقت کے مشکل کشا کو خیال میں رکھتا ہے اور اپنے بُرے وقت میں کام آنے والے وڈیرے کی خوب خوش آمد کرتا ہے، ہر جگہ اس کی بڑائیاں کرتا ہے، اس کے ساتھ تصویریں بنواتا ہے اور فیس بک پر اَپ لوڈ کرتا ہے، تاکہ سب دیکھ کر ایسے سمجھیں کہ اس وڈیرے یا بڑے آدمی کے ساتھ اس بندے کے خاص اور گہرے تعلقات ہیں اور آدمی اس بناوٹی تعلق سے خوش ہوتا رہتا ہے، لیکن آج کسی کے پاس بھی اصل رشتے نبھانے کا وقت نہیں ہے تو بناوٹی رشتے کون نبھائے گا، تو ایسے جب انسان اپنے گاؤں کے وڈیرے کی بات کر کے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، جس میں کہ اس وڈیرے کے ساتھ تعلق میں بڑا شک بھی موجود ہے تو اگر ایسے اپنے اللہ پاک سے ہی تعلق قائم کر لیا جائے تو کتنا اچھا ہے؟ جب وڈیرے کی رسائی سے تم متاثر ہو جاتے ہو تو کیا تمہیں اپنے اللہ کا نہیں معلوم جو ہر چیز پر قادر ہے، اس کے در کا نوکر بھی خوش

قسمت اور بندہ ہونا بھی اعلیٰ عہدہ ہے، تو ایسے ہر جگہ اگر اپنے اللہ کی بات کروگے، نام لوگے اور یقین کروگے تو تمہاری بات ہی بن جائے گی، اس لیئے گمنام اندھیرے سے نکلو اور حقیقت کی طرف آؤ جو تمہیں راستہ دِکھائے گی اور منزل پر پہنچائے گی۔

نمانے ہی سیانے!

شعر 17:۔

آستانے نمانے کے سے ہوکر آیا ہوں، دل و دماغ دھوکر آیا ہوں
قبرستان سے روزانہ ہوکر آتا ہوں، موت کو آنکھوں سے دیکھ آتا ہوں

تشریح: اس شعر میں شاکر نمانا صاحب دنیا میں گم انسانوں کو راہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتانا چاہ رہے ہیں کہ انسان اس دنیا میں آنے کے بعد بھول جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں کس لیئے بھیجا گیا ہے اور دنیا کے رنگوں میں کھو جاتا ہے، تو شاعر صاحب انسان کو تلقین کر رہے ہیں کہ اپنے لیئے کوئی اُستاد کرلو، اپنا کوئی اُستاد بنالو اور شاعر اپنی کیفیت بیان کر رہا ہے کہ میں مرشد کے آستانے سے آیا ہوں، وہاں نور کی تجلیوں میں پاک ہوا ہوں، میں صحبت گزار کر آیا ہوں اور اپنے اندر دل و دماغ کو دھو کر آیا ہوں، جو ذکر میرے مرشد پاک نے مجھے دیا تھا، اس سے میرے دل و دماغ پر جو گرد چڑھی تھی، وہ گرد دھلوا کر آیا ہوں اور اب مجھے صاف نظر آرہا ہے اور عالم ارواح میں کیا وعدہ یاد آرہا ہے کہ مجھے کیا کرنا تھا؟ میں جس کام کو کرنے آیا تھا، وہ تو بھول گیا تھا اور میرے پاس تو وقت بھی کم ہے، پھر جب اسے یاد آتا ہے تو وہ اپنے کام میں جلدی کرتا ہے، جب وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے، اس کی اندر کی

آنکھ کھل جاتی ہے تو پھر اسے ساری حقیقت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے اور وہ عمل کی دنیا میں قدم رکھ دیتا ہے، پھر اس کا ہر عمل، اس کا ہر قدم منزل کی طرف بڑھتا ہے، اس لیئے مرشد کی صحبت کے اتنے بڑے فائدے ہیں کہ وہ آپ کو آپ کی پہچان کروادے اور آپ کو محدود وقت کا اندازہ کروادے، اس سے بڑی مخلصی کیا ہو گی۔

خیال میں جمال

اللہ نے اپنی طرف آنے کے راستے میں ایک چیز مشترکہ رکھی ہے کہ اگر آدمی خود اللہ کی طرف چلا جائے، پھر بھی کٹھن اور خطرناک راستہ ہے، اگر اللہ خود بندے کو بلائے تو پھر بھی یہ راستہ کٹھن، خطرے سے پُر اور غم سے بھرپور درد بھرا راستہ ہے، اس راستے سے گزرنے والا اپنی خوش قسمتی کا اندازہ ایسے لگا سکتا ہے کہ اس راستے پر چلنے کا فیصلہ اس کا خود کا تھا یا انجانے سے اس راستے پر آکر، بہت منزلیں طے کر کے اسے راستے کا معلوم ہوا کہ اسے کہاں جانا ہے، یعنی وہ خود آیا ہے یا بُلایا گیا ہے۔

اقوال:۔

خود کو اعتبار کے قابل سمجھتے ہو
پھر کیوں ہر فروختگان نقدی تم سے لیتا ہے

دل الٹ گئے!

شعر18:۔

قیامت آنے سے پہلے، قیامت اکثر ہوجاتی ہے
انسانوں کے دل انسان کے لیئے نہ دھڑکیں، یہی تو قیامت ہوتی ہے

تشریح: ایک بار بابا سائیں نے فرمایا کہ دنیا آدھی ختم ہو چکی ہے اور آدھی ختم ہوجائے گی، یہ 2008ء یا2006ء کی بات ہے اور اس وقت یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ 2012ء میں دنیا ختم ہوجائے گی، تو میں یہ سمجھا کہ شاید سائیں کو کسی نے یہ اخبار کی خبر بتائی ہے اور اِس بنیاد پر سائیں ایسے کہہ رہے ہیں، میں اس بات کی اس لیئے وضاحت کررہاہوں، کیونکہ لوگ اپنے مرشد کی کرشماتی باتیں بتاتے ہیں تو اس بات میں بھی کرشمائی تو ہے، لیکن بات اصل ہے، اچھاتو بابا سائیں نے جب یہ بتایا تو میں نے بھی شک کیاؔ کہ بابا سائیں کو کسی نے اخبار کی بات بتائی ہے اور یہ تو ہمیں بھی پتہ ہے اور ہم نے پڑھ رکھی ہے، اچھا پھر جب 2010ء کا سیلاب آیا، تب میں نے یہ سمجھا کہ سائیں نے ایسے کہا تھا کہ دنیا ختم ہوجائے گی اور میں جو تمہارے لیے یہاں آگیا تھا کہ پہلے گھوٹکی ڈوبے گا، پھر سکھر ڈوبے گا، کیسے انتظام کروں؟ کیونکہ گھوٹکی بھی خالی ہو رہا تھا، بڑا سوگوار ماحول تھا، پرندے بھی گھوٹکی کو چھوڑ گئے تھے، لوگ کہتے ہیں کہ جہاں طوفان یا بربادی آتی ہے تو اس جگہ کو پرندے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ایسی ساری نشانیاں نظر آرہی تھیں، میں نے سمجھا کہ بابا سائیں نے اس کی پیشین گوئی دی تھی پر ہم آستانے پر چلے گئے تو وہاں کسی نے کہا کہ سائیں گھوٹکی کے لیے دُعا کریں تو سائیں نے کہا کہ نہیں نہیں، گھوٹکی کو کچھ نہیں ہوگا، اب میں نے سوچا کہ یہ کیابات ہے؟ پہلے پیشین گوئی دی تھی تو میں اخباری خبر سمجھا اور اب ایسے

کہہ رہے ہیں کہ گھوٹکی کو کچھ نہیں ہو گا اور واقعی پھر سب ٹھیک ہو گیا، کچھ بھی نہیں ہوا تھا پھر کئی دنوں کے بعد شاید چھ مہینے بعد، مجھے صحیح یاد نہیں ہے، بابا سائیں نے مجھے ایسے کہا جیسے میرے سوال کا جواب دیا، کہ بھئی میں ایسے کہہ رہا ہوں کہ دنیا آدھی ختم ہو گئی ہے اور آدھی ختم ہو جائے گی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بلڈنگ ڈوب جائے گی یا زلزلہ آئے گا اور سب کچھ ڈوب جائے گا، نہیں نہیں ایسا نہیں ہو گا، دنیا کا مطلب ہے کہ دل ہے تو یہ دنیا ہے، یہ محلات، رونق، خوشی سب ہے، پر جب یہ دل نہیں ہے تو دنیا بھی نہیں ہے، تو جو بابا سائیں نے کہا کہ پہلے ہی آدھی دنیا ختم ہے، وہ جن کے دل اُلٹے ہو چکے ہیں، پلٹ چکے ہیں اور آدھے پلٹیں گے سائیں نے یہ بات دل الٹنے کے لیئے کہی تھی، اس کا مطلب ایسے نہیں ہے کہ ظاہر میں سب کچھ گھوم جائے گا، اس کا مطلب ہے کہ سوچ الٹی ہو جائے گی تو دنیا تو تباہ ہو گی نہ بھئی، اب تمہاری اس بات کا جواب دیتا ہوں، اب یہ بات آتی ہے کہ جو تم نے کہی کہ پاپا کوئی ایسا مرد آپ کی نظر میں ہے؟ تو میری نظر میں کوئی نہیں ہے، کیونکہ میں نے سارے پلٹے ہوئے دل دیکھ لیے ہیں، اب کیسے بندہ دل والے کو پرکھے؟ اگر شکل میں نورانی چہرہ دیکھو تو جیسے وہ شیرازی جو ہے میں نے اس کو کتنا اچھا سمجھا تھا، اس پر اتنا خرچہ بھی کیا، پھر بھی وہ ہمارا کام ایک معمولی آئی۔جی (I.G) کو بول آیا اور جو اس کا ساتھی ہے، اس کو بھی مشورہ دے رہا ہے کہ تُو بھی نوکری چھوڑ دے، مطلب وہ بھی اتنا ڈر گیا، اب اور کیا دیکھ کر بندہ پرکھے، نورانی چہروں کے یہ حال ہیں، باقی تو ویسے ہی سب چہرے جلے ہوئے اور تعصبی ہیں تو کیا مرد ڈھونڈیں؟ جیسے وہ آرمی کا بندہ جو تھا، اس نے بھی ہمارے ساتھ ایسے ہی دوستی نبھائی، وہ بھی ڈرپوک تھا، اب زیادہ زیادہ آرمی میں ڈھونڈے جاسکتے ہیں، لیکن آرمی کا بھی یہ حال ہے تو ایسے بابا سائیں کی بات ثابت ہو گئی کہ اب دل الٹے ہوئے ہیں، پھرے ہوئے ہیں، میں نے یہ مشاہدے کر

لیے سب کو پرکھ لیا ہے، اس لیے یہ شعر لکھا ہے کہ یہی قیامت کا منظر ہے، کسی کا دل کسی اور کے لیے نہیں دھڑکتا، میرے اس شعر کا مطلب یہ تھا جو میں نے بابا سائیں کے جانے کے بعد اور مشاہدے کے بعد ایسے لکھا ہے۔

دیکھ کر گاڑ میخ

شعر19:۔

مجاہدے بھی ہیں، مشاہدے بھی ہیں، پھر ہیں یہ قول
اگر پہننا ٹوپی ہو تو، سر کی پیمائش کا ہو خول
ہر ایک قول میں کتاب چُھپی ہے، اِک سطر میں نقطہ
اگر سر میں ہو جھول، پھر سمجھے کون، شاکرؔ کے قول

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب بات کے وزن اور سائز کی بات کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ لکھنے والے پر تنقید کا کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ لکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے دماغ میں بات نہیں سما سکی، تبھی وہ تنقید کر رہا ہے، جیسے شاکر نمانا صاحب کے ایک قول پر ایک شخص نے تنقید کی کہ یہ شاعری تو لفظوں کا کھیل ہوتا ہے، میں نے شاکر نمانا صاحب کو بتایا تو انھوں نے مجھے اُسے جواب دینے سے منع فرمایا کہ یہ تنقید برائے تنقید کرنے والا شخص ہے، لیکن تمہیں میں اس کا جواب ضرور دوں گا، پھر شاکر نمانا صاحب نے فرمایا کہ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ لفظوں کا یہ کھیل ہے اور فیس بک پر ہم شاعری نہیں نثر میں بھیجیں(upload) کریں تو ایک تو بات یہ ہے کہ فیس بک پر نثر کو صرف 20٪ لوگ پڑھیں گے، آج کے دَور کی جو بات ہے، وہ یہ ہے کہ کچھ شاگرد کتابیں پڑھتے ہیں، کچھ فیس بک سے سیکھتے ہیں، باقی تو سب کچھ رواں ہے چلتا رہتا ہے، اگر کوئی چھوٹی سی تحریر ہے یا کوئی چھوٹی

سے وڈیو کلپ (video clip) ہے، لوگ اُسے تو دیکھتے ہیں، ورنہ وہ اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہیں، پھر کیسے ممکن ہے کہ فیس بک پر روزانہ نثر بھیجی جائے؟ اور وہ نثر پھر کون پڑھے گا؟ اب یہ بات کہ شاعری کیسے ایجاد ہوئی اور شاعری کا کیا مطلب ہے؟

تو شاعری کا مطلب یہ ہے کہ مصنف پوری ایک کتاب کو سنگار کر ایک دو صفحے پر لے آئے اور قول کا مطلب یہ ہے کہ ایک لائن میں پوری کتاب کا نچوڑ نکل آئے، تو ایسے اللہ پاک نے جو قرآن پاک اُتارا ہے وہ کائنات کا انمول خزانہ ہے، اَن گنت فیض ہے تو یہ جو قرآن پاک میں پیش (ُ)، تشدید (ّ) مدّ (ٓ) موجود ہیں، اِن کے بھی بہت فائدے ہیں، الف کا فائدہ الگ ہے، لیکن جو الف (ا) کے اُوپر مدّ (ٓ) لگتا ہے اس کا فائدہ بھی الگ جو لوگ اِس دنیا سے چلے گئے، انھوں نے بھی اِس شدّ مدّ کا فائدہ لیا اور جو ہم چھ اَرب آبادی ہیں اور اَن گنت کھرب دوسری جو الگ مخلوقات ہیں، وہ اِس الف کی شدّ مدّ سے فائدہ لے رہی ہیں اور جو آنے والی اربوں، کھربوں مخلوقات ہیں جو ابھی آئیں گی، وہ بھی اس شدّ مدّ کا فائدہ لیں گی تو اس کا کھرب جواب یہ ہے کہ ہم اِس کو نثر میں جواب دیں تو خود قرآن پاک میں ہے کہ اللہ کی تعریف کے لیئے ساری کائنات کے درخت قلم بن جائیں اور سارا سمندر سیاہی بن جائے، پھر بھی اس خالق کی بڑائی نہیں لکھ سکتے تو اللہ پاک نے قرآن میں سارا فیض شدّ مدّ میں لکھ دیا، الف میں ہی پتہ نہیں کتنا فیض ہے، جیسے الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ اس میں الٓمّٓ کا یہی مطلب ہے کہ اور علم کہاں سے لاؤ گے کہ جو دنیا گئی، لوگ گزر گئے اور جو گزر رہے ہیں وہ لوگ اور جو رہ رہے ہیں وہ لوگ اور جو آئے گی دنیا، اِن سب کا سارا علم اِس قرآن مجید میں ہے، اگر اُس شخص کے کہنے کے مطابق سب تحریر نثر میں لکھی جائے تو یہ علم لکھنے کے لیئے سارے سمندر کی سیاہی کم

پڑ جائے گی اور سارے قلم گھِس جائیں گی تو یہ اللہ پاک نے انمول خزانہ ہمیں عطا فرمایا، اقوال میں قرآن لکھ دیا اور اکثر نثر میں عطا فرمایا اور اس کے اندر سارا سب کچھ سمایا ہوا ہے، اب جیسے قرآن پاک میں حضرت یوسف کو کنوے میں پھینکنے کے واقعے میں پتہ نہیں کتنی مخلوق کا سبق سمایا ہے تو اب یہ بات کس کو سمجھ آئے؟ عام پڑھنے والا تو آسان پڑھے گا کہ پھینک دیا، لیکن اس واقعہ کی وجہ کیا ہے، اِس کے اندر پتہ نہیں کِیا کِیا سمایا ہوا ہے، اِس میں جس کا نصیب ہو گا، وہ اِس کو حاصل کرے گا، اس لیئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اقوال لکھے ہیں کہ جس کو طلب ہو گی، وہ حاصل کرے گا، اپنی تحقیق (Research) کرے گا، ایسے اگر سارا نثر میں لکھا ہو تا تو قرآن پاک تو پورے گھر جتنا ہو جاتا، تم اس کو حاصل کیسے کرتے؟ اتنی طویل تفصیل ہے۔

جس کو اپنے اللہ سے محبت ہے اور عشق ہے جو اپنی زندگی کو سُدھارنا چاہتے ہیں، تو وہ اس کلام کو حاصل کریں، تو اب ہم نے بھی اپنی شاعری اور تحریریں اس طرح فیس بک پر لکھی ہیں کہ جس کو سمجھ میں آئے، وہ اپنا حصّہ حاصل کر لے، اب جیسے قرآن پاک حضرت محمد پاکؐ پر نازل ہوا، لیکن اب تفسیر کوئی بھی حضور پاکؐ سے تو نہیں پوچھ رہا، اب تو دوسرے استاد سے پوچھتے ہیں، ایسے ہی جو بھی اچھی بات یا اقوال واشعار پڑھو تو وہ اپنے استاد سے پوچھو اور اگر تمہارے اندر محبت نہیں ہے، اِس بات کو سمجھنے کا اتنا شوق نہیں ہے اور صرف تنقید برائے تنقید ہی کرنی ہے تو یہ تیری قسمت ہے، کیونکہ "باادب بانصیب "ہوتا ہے، شوق اور عشق تو فیض ہے جو اس پر تنقید کرتے ہیں اور تنقید برائے تنقید کرتے ہیں یہ اُن کی بد نصیبی ہے، لکھنے والے پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دھوکے میں تجھے موقع

شعر20:۔

شاکرؔ کو جب دنیا سے دھوکا مِلا
یعنی کہ دنیا میں ہی موقع مِلا

تشریح: اس شعر میں شاکر نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ شاکر کو جب دنیا سے دھوکا مِلا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان سے ایک چیز چھین لی جاتی ہے تو اُس سے بہتر چیز عطا کر دی جاتی ہے، اس لیئے جب انسان کو دھوکا ملتا ہے تب ہی اللہ تعالیٰ پھر موقع دیتا ہے، اگر دھوکا نہ ملتا تو پھر موقع بھی نہ ملتا، اس کی ہم توثیق کرتے ہیں، میں نے خود آزمایا ہے، مجھے جب جب دھوکا مِلا، مجھے تب تب موقع مِلا، تو دھوکے کے وقت بڑا دُکھ، بڑا درد ہوتا ہے، انسان کی کیفیت مرنے مرانے کی ہوتی ہے، لیکن جب موقع ملتا ہے تو وہ موقع سب سے اعلیٰ اور خوبصورت ہوتا ہے، سرسبز و شاداب ہوتا ہے، جیسے پیاس کے لیئے پانی ہوتا ہے، جیسے حُسن کے لیئے سینگار ہوتا ہے، اچھی سیرت کے لیئے اچھا کردار ہوتا ہے، اس طرح دھوکے سے انسان اندر سے دھویا جاتا ہے، تو یہ ان سب چیزوں میں موقع ملنے کی بات ہے۔

لامکاں پہنچنے کی سوچنے سے پہلے
اپنے اندر کے مکان کو دیکھ، کونا کونا گرنے سے پہلے

دغا میں وفا

شعر21:۔

شاکرؔ کو جب دنیا سے دَغا ملی
یعنی کہ اُس دِن خود سے وفا ملی

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب خود سے وفاداری کا سبق سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ جب انسان کو دَغا ملتی ہے تو انسان ڈگمگا جاتا ہے، دَغا ملتی ہے تو انسان خود سے بیزار ہو جاتا ہے، دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے یا رُک جاتی ہے، دماغ میں ڈپریشن، فالج کے امکانات، گُردے بند ہونے کے امکانات، سارا انسانی سسٹم بریک ڈاؤن ہونے کے امکانات ہو جاتے ہیں، یعنی انسان اندر سے اتنا ٹوٹ جاتا ہے، تو جو شاعر صاحب نے فرمایا ہے کہ خود سے وفا ملی اس کا مطلب یہ ہے کہ اِس دَغا کے وقت سارے اعضاء نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ٹھہر گئے اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ شاکر کو جب دَغا ملی تو خود سے وفا ملی یعنیٰ اس کے قدم نہیں ڈگمگائے، ہاتھ نے کوئی غلط کام نہیں کیا، دماغ نے کوئی غلط برتاؤ نہیں کیا، کسی گناہ کا نہیں سوچا اور اگر سوچا تو قابو بھی کیا، دل میں گداز آیا، درد آیا، یہ ساری چیزیں اس کے حق میں آگئیں اور اس کے اندر کے جتنے بھی اعضاء ہیں، انھوں نے شاکر کا ساتھ دیا اور اس دن اسے پتہ چلا کہ اگر میں خود سے وفادار ہو جاؤں تو پھر ہی دنیا سے وفادار ہو جاؤں گا اور اگر دنیا سے وفادار ہو جاؤں تو پوری دنیا مجھ سے وفادار ہو جائے، اس بات کا لُبِّ لباب یہی ہے۔

غداری سے اقتداری

شعر22:۔

جب دنیا میں ایک یار غدّار مِلا
تب ہی تو شاکرؔ کو ہادی وفادار مِلا

تشریح: اس شعر میں شاعر صاحب فرمارہے ہیں کہ اگر انسان کی ساری زندگی میں میانہ روی ہو، مطلب اندازاً Average 19/20٪ خود میں اور 19/20٪ دوست میں تو پھر اس سے انسان 100٪ کا اندازہ (Estimate) نہیں لگا سکتا، تو جب شاکر کو یار غدار مِلا تو وہ اتنا نڈھال ہوا کہ اپنے آپ کو سہارا دینے کے لیئے کسی یار کی تلاش میں رہا، جب وہ ہر انسان سے مایوس ہوا اور یہ مایوسی شاکر پر اتنی حاوی ہو گئی کہ وہ انسانیت سے ہی اعتبار اٹھانا چاہ رہا تھا اور 90٪ اٹھ بھی چکا تھا، پھر مرشد پاک نے اُسے سہارا دیا، مرشد نے وفا کی تو پھر سے وہ وفادار ہوا، مطلب کہ جو پیائش ہوتی ہے، وفاداری کا تخمینہ ہوتا ہے، وہ شاکر نے اپنے مرشد میں ڈھونڈا اور اُسے وہاں سے مِلا، پھر شاکر لوٹ آیا اور جو وہ پہلے مایوس ہو چکا تھا، اب امن ہو گیا، درد ہو گیا، گداز ہو گیا، نرمی ہو گئی، انسانیت سے پیار ہو گیا، اللہ کی مخلوق سے پیار ہو گیا، مرشد سے وفادار ہو گیا۔

مُشک اور شک میں الگ الگ فرق بناؤ، شک کو مغز مت بناؤ
ضرورت کو ضد نہ بناؤ، ضرورت کی صورت کو من میں مت بٹھاؤ

ڈی۔این۔اے

شعر23:۔

ماتھے کی ریکھا الگ الگ، انسان کی آنکھ پلک الگ الگ
ہر انگ کی نوک پلک الگ الگ، انگوٹھے کی باریکی الگ الگ

تشریح: اس شعر میں پاپا فرمارہے ہیں کہ اس دنیا میں جب ہر انسان کے ڈی۔این۔اے (DNA) ایک جیسے نہیں ہیں، الگ الگ ہیں، ہر انسان کے جسم کی خوشبو الگ الگ ہے، خیال الگ الگ ہے، تصوّر الگ الگ ہیں، ماتھے کی ریکھائیں الگ الگ اور ہاتھوں کی لکیریں الگ الگ ہیں تو انسان کیسے ایک جیسا ہو سکتا ہے، انسان کی سوچ کیسے ایک جیسی ہو سکتی ہے، تصوّر الگ، مزاج الگ، بخار الگ اور ہر بیماری کے بعد اس کا بھاؤ تاؤ الگ تو پھر ہم کیوں سوچ لیتے ہیں کہ دوسرا آدمی میرے جیسا ہو جائے، میرا ہم خیال ہو جائے؟ اگر انسان ایسا سوچنا چھوڑ دے تو خود ہی جلنے کڑھنے سے بچ جائے گا اور اپنے ہی اعضاء میں بیماریوں سے لڑنے کے لیئے قوت مدافعت جمع کرلے گا اور دنیا میں بھر پور طریقے سے جی سکے گا، جیسے آج کے مُلّا وغیرہ اوروں کو اپنے فرقے پر راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ایسے سوچ لیں کہ جب ہم اُن کے فرقے پر راضی نہیں ہو سکتے تو وہ ہمارے فرقے پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں؟ سب کے خیالات، نظریات الگ الگ ہیں تو کیسے کوئی آپ کے فرقے میں داخل ہو سکتا ہے؟ پہلے خود اپنے اندر بدلاؤ تلاش کرو اور پھر بدلاؤ کا سبق دو۔

اوقات کی سوغات

شعر24:۔

اوقات کی عین عنین اگر تجھے یاد ہے
گویا کہ تجھے عین یقین اللہ یاد ہے

تشریح:۔ پہلے تو انسان کی اوقات یہ ہے کہ وہ کھاتا سیب ہے، انگور ہے، پیتا دودھ ہے اور پیٹ سے گزرتے ہی اُن خوشبودار پھلوں کو گندے فضلے میں تبدیل کر دیتا ہے، یہ تو انسان کی اوقات ہے، لیکن پاپا نے جو فرمایا ہے، وہ اوقات یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اپنی اوقات نہ بھولے، سانس کس کا ہے، دھڑکن کیسے دھڑک رہی ہے، یہ سب انسان کی اوقات ہے، یہ تو ہے روحانی اوقات لیکن دنیاداری کی اوقات یہ ہے کہ اگر انسان ترقی پر ہو تو اپنے پچھلے دن یاد رکھے، جیسے بھی اس کا گزر بسر ہو، اُس کو یاد رکھے، ماضی کو یاد کر کے حال کو بھی سنوارے اور امن کو بھی برقرار رکھے، خود کو حالات کے ایندھن میں نہ جھونکے اور استقلال و استقامت سے کھڑا رہے، صبر، شُکر سے کام کرے، نہ مستقبل کے سُہانے خواب میں گُم ہو، نہ ہی حال کی مستیاں دیکھے، اگر حال خراب ہے تو ماضی کو یاد کر کے اپنے آپ کو رنجیدہ اور دُکھی نہ کرے، کیونکہ ماضی، حال مستقبل اور انسان کا ہی وقت ہے، اِن سے بھرپور زندگی کے سبق حاصل کرے، اللہ نے اِن تین زمانوں کو انسان کے لیئے بنایا ہے۔

پہلے خالی ہو، پھر مالی ہو!

خیال: اگرچہ میرے پاس ثواب نہیں ہے، سر پر گناہوں کا بھار ہے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہیں ہیں، ان کو تھامے کھڑا ہوں، اگر میرے دونوں ہاتھ خالی ہوتے تو بے بہار حمت سمیٹ لیتا۔

تشریح: یہ پاپا کا خیال ہے جو بیان کیا گیا ہے، اس خیال میں پاپا رنجیدہ ہیں، ان کے خیال کا مطلب ہے کہ اللہ پاک کی رحمت تو بے بہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن میرے گناہوں کا بھار جو میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے کھڑا ہوں، یعنی کہ اتنا بوجھ ہے کہ وہی اٹھا سکتا ہوں تو پھر کیسے اللہ رحیم کی بے بہار حمت کو سمیٹوں گا؟ اس خیال میں پاپا اللہ پاک سے التجا کر رہے ہیں کہ اپنی رحمت سے اِس بے حد وزنی گناہوں کو معاف فرما، تاکہ اِن کا بوجھ کم ہو تو میں تیری رحمت کو سمیٹ سکوں، تیری رحمت سے سر سبز و شاداب ہو سکوں، مستفید ہو سکوں، اس خیال میں وحدانیت کا اظہار ہے اور معافی کی التجا ہے کہ جتنی تیری رحمت ہے، اس سے تُو ہی معاف کرنے والا ہے اور سکون دینے والا ہے، میں ناقص عقل تک محدود انسان ہوں اور گناہوں کے بوجھ میں ہی دبا ہوا ہوں، تُو ہی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، مجھ پر رحم کرو، تاکہ میں بھی تیری رحمت سے سرشار ہو سکوں۔

دل کی دھڑکن دل کا ساز ہے، دھیان کی پرچی پر شاعری لکھی ہے
ریاض ہاتھ سے، آواز حلق سے، پسند خلق سے ہے، یہ سب کچھ ازل سے ہے
خدا نے کھنکتی مٹی سے بنایا، بندے کے بس میں تو دُعا بھی ہے، ساز بھی ہے

میلان کا اعلان

شعر26:۔

اعلان مسجد میں وفات کے بہت ہوتے ہیں، کبھی رونے کے تو کبھی رُلانے کے لیئے
اخبار میں خبر خراب بھی ہوتی لیکن تیری نہیں، بازار میں لینا دینا ہوتا ہے دِلانے کے لیئے

قلب کا کلام

شاعر کے اشعار، گوییّ کی غزل، قلیل کا کلام، سمجھو تم اگر ابہام
رُباعی کو دوہائی کوئی سمجھے تو چھوڑ دے، تیرے لیئے نہیں یہ کُل کلام

تشریح:۔ اِن اشعار کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں جب فوتگی کا اعلان ہوتا ہے تو سب لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں کہ خدانخواستہ کوئی ہمارا عزیز یا چاہنے والا تو نہیں ہے اور اگر چاہنے والا ہے تو نمازِ جنازہ کی تیاری کریں اور اگر کوئی انجان ہے تو وہ اپنے کام میں مشغول ہو جائیں، اسی طرح اگر کوئی شعر، غزل، قول آپ کے مطابق نہیں ہے تو آپ چھوڑ دو، جیسے مسجد میں اعلان شدہ فوت ہونے والے کے ساتھ تیرا تعلق نہیں ہے، اِسی طرح شعر یا قول بھی سمجھ میں نہ آئے تو تیرا تعلق نہیں ہے، اگر آپ کو شعر پر ابہام ہو تو ضروری نہیں ہے کہ شاعر اپنا شعر بدل لے، جیسے مسجد میں اگر آپ کے مطابق اعلان نہیں ہوا تو آپ تنقید تو نہیں کر سکتے کہ میرے رشتے دار کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ یا تم میرے چاہنے والے کا نام بھول گئے ہو، واضح کرو اور بار بار اعلان کو سمجھاؤ؟ اور کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ اخبار کی خبریں اَن گنت ہوتی

ہیں، لیکن اگر ہم سے مطابقت یا جاننے والے کی خبر نہیں ہے تو ہم در گزر کر دیتے ہیں اور اگر ہمارے متعلق ہو تو ہم رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور خبر کی تصدیق یا توثیق سے ہم گریز کرتے ہیں۔

اِسی طرح شعر، غزل، گیت، اقوال اگر سمجھ میں نہ آئیں تو آپ دَر گزر کریں کہ یہ کسی اور کا حصّہ ہے، یہ کسی اور کے سمجھنے کا سامان ہے اور تمہارے سمجھنے کی یا تمہارے حصّے کی بات ہو سکتا ہے کہ گزر گئی ہو یا آنے والے وقت میں تیرا حصّہ آنے کا موقع ہو، یا پھر ایسے سمجھ لیں، دوسری مثال دیتا ہوں کہ جیسے بازار میں اَن گنت اسٹال (Stall) اور دکانیں سجی ہوتی ہیں، اِن سب ہی سے ہم مستفید نہیں ہو سکتے اور نا ہی سجانے والے پر اعتراض کر سکتے ہیں، کیونکہ اُن میں کچھ ہماری ضرورت کی چیزیں ہوتی ہیں اور کچھ غیر ضروری چیزیں ہوتی ہیں اور جو چیز ہمارے لیئے غیر ضروری ہے، وہ اُس دکاندار کے لیئے یا پھر کسی اور کے لیئے ضروری ہوتی ہے، تو ہم اس دکاندار یا بازار پر اور ضرورتمند پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

نوٹ:۔ "حکمت کی بات" کتاب کا نام ہے، جس میں تحریریں موجود ہیں، اس لیئے تحریروں کے نیچے کتاب کا نام درج (Mention) کیا گیا ہے۔

بَڑھیا بہترین ہے تیری اندر کی چڑیاں
کبھی بُڑھاپے سے پہلے اُڑ جاتی ہیں، خود ہی کھول دے پھر کھڑکیاں

سب کو پہچان

شعر 27:۔

کبھی حال پر ماضی کی سبقت اور کبھی ماضی پر حال کی سبقت
ہے انسان پر منحصر، ماضی سے حال بتائے یا حال میں ہی ماضی سے لے جائے سبقت

تشریح:۔ اس شعر میں پاپا جی فرما رہے ہیں کہ تم اگر اپنے چلتے ہوئے حالات پر ناخوش ہو اور تمہارا ماضی اس سے بھی بُرا ہو تو اپنے ماضی کے واقعات اپنے حال کو بتاؤ تو حال کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی اور اگر ماضی بہترین رہا ہے اور حال میں حالات گڑبڑ ہو رہے ہیں تو ماضی کے اچھے حالات کو حال پر لے کر آؤ اور جو ماضی بہتر گزرا ہے تو اپنے حال کو بتاؤ کہ ماضی بہتر کیوں، کیسے گزرا اور کون سے اقدام کی وجہ سے ماضی بہتر گزرا، کیونکہ ماضی سے سبق حاصل کر کے حال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ ایسے انسان اپنی ہی اصلاح کر سکتا ہے اور جمگھٹ ماحول میں کھلی فضا کا نظارا ہو سکتا ہے، اس گھٹن بھرے ماحول میں آپ اچھا تصوّر بھی کر سکتے ہیں اور اس فارمولے سے راہ کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں، بس دُعا سے توفیق حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک سب کو اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ سب پر اپنی رحمت برسائے۔ (آمین)

ہر کوئی ہر طرح کے اقتدار کے لیئے رفتار میں لگا ہے
اقتدار میں ہو کر خود پر اختیار کھو دیتے ہیں، وقار کے لیئے گرفتاری کی رفتار میں لگا ہے

تقدیر کی راہ

قول28:۔

ڈر۔ خوف۔ خدشے۔ خطرے۔ اچھا۔ اندیشے۔ بیماری۔ مرض۔ قرض
اگر تقدیر بدلے گا تُو خود کی، تو ان سے لڑنا ہے فرض

تشریح: آدمی گُمان بھی کرے کہ یہ خوف خطرے نہ ہوں، بس خواہش پوری ہوجائے، یہ ممکن نہیں، خواہش دنیا کی ہو یا خواہش دین کی ہو، ان خدشوں اور موت کے راستوں سے گزر کر ہی نصیب اچھّا ہوتا ہے کہ منزل ملے یا نہ ملے، مگر اُمید پکّی ضرور ملتی ہے، آپ ان دونوں کو الگ الگ نہیں کرسکتے، اگر آدمی ڈر سے ڈر جائے اور خواہش کو ترک کر بھی دے تو پھر بھی یہ نصیب کی بات ہے کہ سکون، عشرت، مسرّت، عزّت ملے یا نہ ملے، بندہ یہ سوچ کہ پھر کوشش قسمت تقدیر اور نصیب کے بہانے بڑے بنیں گے۔

اگر آدمی ترقی، مال و دولت یا پھر دنیا میں عزّت چاہتے ہوئے یہ گُمان کرے کہ میں بے خوف رہوں، خطرے سے باہر رہوں اور ہر وقت سکون کے لمحے گزاروں، تو اے بندے! ان میں سے دنیا اور دولت کی خواہش کو چھوڑ دو، پھر ہوسکتا ہے کہ نصیب اچھّا ہو بھی اور نہ بھی ہو۔

میں نے جو کیا، وہ سب نے دیکھا، میں نے جو لکھا، وہ سب نے پڑھا
میں نے یہ کیَا اور کیوں کیَا، میرے غم میں شرکت کے لیئے کوئی آگے نہ بڑھا

تنقید پر یقین

سوال: میں نے پاپا جی سے سوال کیا کہ آپ کے اقوال واشعار پر اور زندگی کے ہر عمل پر اکثر تنقید ہوتی ہے، مخالفین آپ کی شخصیت پر کاروباری لحاظ سے اکثر الزام لگاتے ہیں تو آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: جو لوگ تنقید کرتے ہیں، ان تنقیدی لوگوں کو منزل پانے والے لوگ درگزر کر کے اور ان کی زہر بھری باتوں کو نظر انداز کر کے تنقیدی نثر لکھی جانے کے باوجود اپنی منزل پر گامزن ہوں اور تنقید، تہمت، بہتان، الزام، گالی گلوچ، طعنا، اِن سب چیزوں کو صلہ شکنی سمجھ کر بھلادی، کیونکہ اِن ہی نوکیلے راستوں سے گزر کر آنا ہو گا، اِن راستوں کو اکھاڑا نہیں جاسکتا، مٹایا نہیں جاسکتا، اُدھیڑا نہیں جاسکتا، ان کے اُوپر سے گزرنا ہو گا اور پھر آدمی تنقیدی لوگوں کو مڑ کر نہ دیکھے کہ اِن کا کیا حال ہے؟ جن کو پیچھے آنا ہو گا، وہ بھی ناہموار کو بھی ہموار سمجھ کر اس راہ گزر سے گزر آئیں گے۔

مثال کے طور پر جہاں پھول ہیں، وہاں کانٹے بھی ہیں، جہاں راستے ہوتے ہیں، وہاں گڑھے بھی ہوتے ہیں، جہاں سچ ہے، وہاں جھوٹ بھی ہے، جہاں علم ہے، وہاں جہالت بھی ہے، جہاں دن ہے، تو پھر رات بھی ہے، جہاں زندگی ہے، پھر وہاں موت بھی ہے، جہاں شہرت ہے، وہاں بدنامی بھی ہے، جہاں احسان ہے، وہاں ہمت بھی ہے، جہاں عہدے ہیں، وہاں پھانسی بھی ہے، جہاں بھائی ہے، وہاں دشمن بھی ہے، جہاں دوست ہے، وہاں بُرائی بھی ہے، اس لیئے ان نوکیلے راستون پر ثابت قدمی سے چلنا اور اپنی منزل کو نگاہ میں رکھنا ہو گا۔

اُلٹ پُلٹ

قول29:۔

دنیا میں ہر منزل زینے پر اُوپر کی طرف چڑھنے سے ملتی ہے
خدا سے ملنے کے لیئے زینے نیچے کی طرف اُترتے ہیں

تشریح: انسان کا دماغ چوٹی ہے اور انسان کا دل لامکان ہے، عرشِ عظیم ہے، قبلہ ہے، کعبہ ہے، کیونکہ ہر منزل اوپر کی طرف سیڑھیوں سے چڑھ کر ملتی ہے، لیکن واحد خدا سے ملنے کے لیئے دماغ کی سیڑھی سے نیچے کی طرف دل میں اترنے کی جستجو کی جاتی ہے، یہ اندرونی سیڑھی ہے، جس کے زینے عاجزی، انکساری، قربانی اور سچ ہیں، نانگا پربت، کے ٹو کا پہاڑ، غارِ ثور، غارِ حرا، چاند پر پہنچنا، یعنی ایک سے سو تک اُوپر کو ہی چڑھائی ہے، اس کے بعد منزل ملتی ہے، لیکن واحد اللہ کی طرف کا راستہ ہے جو نیچے کو اُترتا ہے، عاجزی نیچے کو اُترتی ہے، قربانی نیچے کی طرف اترتی ہے، محبت نیچے کو اترتی ہے، دماغ سے دل پر اُترنے کے بعد ہی انسان سچ کا سونا، شُکر کا چبوترا، صبر کا تکیہ، پیار کی ٹیک لگا کر، محبت سے بیٹھ کر، اللہ سے محوِ گفتگو ہو سکتا ہے!!!

شوق تیرا جینے کا میں تو ٹھِٹَھر گیا یہ دیکھ کر
یوں بھی کوئی بھُلاتا ہے، الستی کو مستی میں

مواقع

قول30:۔

آزمائش کو جب مصیبت سمجھے گا تو مشکل میں اُلجھے گا
مصیبت کو جب تُو آزمائش سمجھے گا تو مسئلہ پل میں سُلجھے گا

—

تشریح:۔ اللہ کی دی ہوئی آزمائش بندے کو اُس وقت تک آزمائش لگے گی، جب تک مشکل ہو گی، وہم ہونگے اور خوف، خدشے کے گھیرے ہونگے مطلب کہ جب تک انسان مصیبت کو آزمائش منجانب اللہ نہیں سمجھے گا، یعنی کہ جو مصیبت آئی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جائے گی بھی اللہ ہی کی طرف سے اور جو مشکل آئی ہے، وہ جانے کے لیئے ہی آئی ہے، اس سوچ کو سامنے رکھ کر ہی مصیبت کو ٹالا جا سکتا ہے اور جب تک انسان زندہ ہے، یہ حل کے بعد مشکل اور مشکل کے بعد حل کا کھیل جاری رہتا ہے، یہ عمل زندگی اور بندے کے زندہ ہونے کا ثبوت اور دلیل ہے۔

قول31:۔

آلہ کار تم خود مشکل کے بن جاتے ہو اور مشکل بڑھا کر مصیبت پال لیتے ہو اندھیری
آلہ کار بن اپنا، پھر خدمت کر مخلوق کی، پھر مشکل آسان بن جائے تیری

—

قول32:۔ تُو کسی کا آلہ کار نہ بنے اور مصیبت پر تیری حاکمیت ہو جائے، خوف اور خدشوں پر تم حکم کرو تو مشکل حل ہو جائے، تم حکم کرو تو مصیبت اُڑ جائے، یہی تیری ہمت اور عظمت کا پیمانہ ہے۔

—

تقدیر بھی تیرے خود کے ہاتھ!

قول33:۔

تیرے ہاتھ میں ہے بندہ، مصوّری سے مشکل کی صورت بنا
پھر مشکل کی صورت کو آسان بنا، نا کہ مشکل کو بڑھا کر مصیبت بنا

—

تشریح: انسان مشکل، خدشہ اور خوف کی شکل کو خود ہی اپنے گُمان میں بڑھا چڑھا کر مسئلے کی صورت دیتا ہے اور اپنے ہی اندر سے خوف خدشے اجاگر کرتا ہے اس لیئے انسان کو چاہیئے کے ہمت کے ذریعے اندر ہی سے مشکل کی شکل بدل کر اسے اصل صورت میں لا کر آسانی سے مشکل کو حل کر لے، یہ حقیقت اپنے آپ کو بھی سمجھائے اور ساتھیوں کو بھی سمجھائے۔

بورے بھرم کے

قول:

رکھ خود کو پیمانے پر، سوئی کانٹے پر ہو نظر، پھر ہی ہو گا اچھا اجر
اگر نہیں نکلے گی سوئی گھڑیال سے، بھرے رہیں گے پھر بھرم کے گھڑے

—

تشریح: اپنے آپ کو ہر وقت پرکھ کے پیمانے پر رکھے تو انسان گمراہی سے بہت دور چلا جاتا ہے، پھر اس تک پہنچنے کے لیئے گمراہی کو بہت تیز آنا پڑتا ہے اور پرکھنے والے انسان کے پاس پہنچنے کے لیئے اسے رفتار بڑھانی پڑتی ہے، پھر بھی شکست کا سامنا کرنا پڑھتا ہے۔

پرکھ کا ترازو اندر کا!

سوال:۔ پاپا جیسے آپ بتاتے ہیں کہ جب انسان کے اندر موجود گیس اُوپر کی طرف بڑھنے لگتی ہے تو وہ بلڈ پریشر، ڈپریشن اور رونے دھونے کو جنم دیتی ہے اور یہ بات آپ کی صحبت سے ایسے سمجھ آئی ہے کہ اب اگر اللہ کے سامنے بھی رونا آرہا ہوتا ہے تو روتے روتے یہ خیال آتا ہے کہ یہ مرض مجھے بھی تو نہیں ہے، میں دُعائیں کر رہی ہوں اور اللہ تو سب جانتا ہے تو اپنے آنسوؤں پر بھی شک ہو جاتا ہے اور چاہتی ہوں کہ اللہ کے سامنے میں اصلی موجود ہوں نا کہ کسی اور وجہ سے میری یہ کیفیت بنی ہو؟

جواب:۔ ہاں بیٹا! یہی تو صحبت کا ترازو ہے جو کہ صحبت کے بعد ملتا ہے اور اس ترازو میں تُل کر ہر عمل اپنی اصل شکل میں آتا ہے اور ہے یہ پرکھنا، اپنے آپ کا احتساب کرنا ہے اور یہی احتساب کا حساب آپ کے حق میں ہو گا، جب خود ہی آپ نے اپنے آپ کو پرکھ لیا کہ آپ کے اندر میں جو تولنے والا ترازو ہے، وہ ٹھیک کام کر رہا ہے اور گناہ، ثواب کا پیمانہ بھی درست ہے، یہ سب کچھ آپ کے اندر میں دین و دنیا کے قواعد وضوابط کے مطابق چل رہا ہے تو اس کو ایک طرح سے نفسِ مُطمئنّہ کے نزدیک سمجھا جاتا ہے اور خود احتسابی سے ہی خود اعتمادی حاصل ہوتی ہے۔

قول35:۔

آج اپنا احتساب کرلے، ورنہ کہیں حساب کتاب بھول نہ جائے
کل تو ہمیشہ سے کل ہی ہوتا ہے، بس آج کو تم کل نہ کرتا جائے

پی پیار!

قول36:۔

آنسو جنت کا پانی ہے، پئے جا جام سمجھ کر
باہر نہ بہا، بے درد زمانے کو ترس نہ آئے، ہنسیں گے بہانہ سمجھ کر

—

تشریح: جب تمہارے آنسو بہانے پر بھی سوال اُٹھے کہ یہ عمل نقلی ہے یا اصلی، تمہاری سخاوت پر بھی سوال اُبھرے کہ ریاکاری ہے یا بڑائی ہے اور خلقِ کی خدمت کرنے میں بھی دِکھاوے کا شک ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم نفسِ مُطمئنّہ کے نزدیک پہنچ چکے ہو۔

—

فرض کرو...

نمانا اگر سیانا ہوتا تو پھر کیوں راضی سائیں سے دل لگاتا
سیانا اگر شاکرؔ ہوتا تو پھر کیوں دنیا کو نمانے پر وارتا
سیانا ویانا نمانا کی بات نہیں، یہ تو دل کا سودا، ہے سائیں کرواتا
آنے یا جانے کی تو بات نہیں، بات اس کی جو مرنے سے پہلے مرتا
گناہ و ثواب کی بات نہیں، قائم، دائم تو اللہ ہے، وہ ہی ہے یہ کرواتا

—

آج کی دنیا میں پرکھ مزاج کی کرنا مشکل بھی ہے، ناممکن بھی ہے
مجاز کی دنیا ہے یا پھر پوجاری سماج کی یہ دنیا ہے، سمجھنا ناممکن بھی ہے

—

اصل تو مشکل ہی ہے!

قول37:۔

مصیبت، مشکل، مسائل میں رہ کر آج نہیں تو کل مثبت ہونگے
منصف انصاف کرے تو ایک پل نہ پا سکوں، نصیب نہیں منصب ہونگے

تشریح:۔ اس شعر میں پاپا فرمارہے ہیں کہ جو دنیا ہے، وہ امید کے سہارے چلتی ہے اور لوگ یہ اُمید رکھتے ہیں کہ آج مشکل ہے تو کل مشکل کشائی ہو جائے گی، آج مصیبت ہے تو کل ضرور آسانی ہو جائے گی، یہ سب اُمید ہے، پھر اگر منصف انصاف کرے تو ایک پل نہ پاسکوگے، ناہی منصب نصیب ہونگے، منصف اللہ ہے، منصف کی معنی ہے انصاف کرنے والا، تو اللہ نے جو میری عزت اور جو بھی میری خوراک دی ہے تو اس نے ٹھیک کیّاہے، اگر میرے اعمال پر وہ انصاف کرے تو اتنے بُرے اعمال ہیں کہ یہ جو منصب ہے شاکر کا، یہ بھی نہ پاسکوں گا، یہ بھی نصیب میں نہ ہو گا، اگر میں مانگوں کہ میرے ساتھ انصاف کرو، میں نے بڑی عبادت کی ہے، بڑی سخاوت کی ہے، میں نے بڑے شعر لکھے ہیں، بڑی کتابیں لکھی ہیں تو ایک دھیلا بھی ہاتھ نہ آئے گا، اتنے گناہ مجھے دِکھا دیئے جائیں گے کہ میرے گناہ کے برابر میرا ثواب تولہ ہو گا اور کروڑوں من میری غلطیاں ہوں گیں، پھر میں کہاں جاؤں گا؟ اس منصب سے بھی جاؤں گا اور جو بھی پڑھنے والے ہیں ان کے وحاضت ہے کہ ایک قول کے اندر پوری کتاب سے زیادہ سمایا ہوتا ہے، اقوال لکھنے والا اقوال کے مطلب ہی بتانا شروع کردے گا تو کتابیں بن جائیں گے، کیوں نہ پھر وہ کتابیں ہی اتنی لکھ دے، ایک کتاب

کیا کئی کتابوں کا ایک قول ہوتا ہے، سوال پوچھنے والے کا بھی حق ہے، لیکن آج میں یہ بھی بتا رہا ہوں کہ پھر تشریح بتانے والے کو کئی کتابیں سُنانی پڑیں گی، کیونکہ اقوال کی تشریح اتنی بڑی ہوتی ہے، پھر آدمی کتاب ہی کیوں نہ پڑھ لے، اقوال میں تو کئی کتابوں کا علم سمایا ہوتا ہے۔

صبر کی سکت

قول38:۔ اوقات اور ساعت پر قابو پا جا، ورنہ تجھ پر وقت قابو پا جائے گا اور تُو دونوں جہاں سے بغیر نتیجہ جائے گا۔

تشریح: انسان اپنی اوقات کو نہ بھولے، اپنے منصب کو نہ بھولے اور تُو ماضی میں اللہ تعالیٰ سے کی ہوئی دُعا قبول ہوئی ہو، وہ دُعا نہ بھولے، اللہ تعالیٰ سے جو عالمِ ارواح میں وعدہ کیا ہے، اس کو یاد کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ تم دنیا میں جو کر رہے ہو یا تیرے ساتھ کوئی کر رہا ہے کہ جو ہوا، جو ہو رہا ہے اور جو ہو گا، یہ خوف خدشے، یہ مشکل، مصیبت ان سب کو برداشت کرنے کے بعد ہی تیرا وعدہ پورا ہوتا ہے، اللہ پاک کو راضی کرنے کے اور دین و دنیا کی کامیابی کا سبب بھی ان ہی کے اندر ہے۔

خود ہی خطا کو ختم کر دے، اپنے زخم بھر دے
دل پر یاد دِہانی کا خط رکھ دے، خطا ختم تیری احد کر دے

تلاش کے متلاشی

قول39:۔

جستجو میں زیادتی ہونے سے، انسان کے اُوپر بلاوجہ کا بھار لَد جاتا ہے
جستجو کرنے کے بعد اللہ پر چھوڑ دینا، اپنے اُوپر سے خود ہی عذاب ٹالنا ہوتا ہے

تشریح: جستجو کا مطلب ہے کہ اگر مل جائے تو شُکر کرو، اگر نہ ملے تو صبر کرو، اصل میں جستجو کا مطلب یہ ہے کہ جب جستجو حرص کی صورت اپنا لے گی تو یہ زیادتی ہو گی اور وہ لالچ لوبھ میں تبدیل ہو جائے گی، جستجو دنیا کی ہو، جیسے شہرت، دولت، زینت تو کوئی بُری بات نہیں، لیکن ایک حد تک تو اس کو جستجو کہیں گے، اگر آدمی اس حد سے بڑھے کہ ہر حال میں بس یہ چیز حاصل کرنی ہے اور یہ اللہ پر نہیں چھوڑے تو اس کا مطلب ہے کہ اب اللہ سے مقابلہ کرنے کی کوشش یعنی شرک کیا جا رہا ہے، اس لیئے آپ اپنی ایک حد تک محنت اور جفاکشی کر کے اس کو اللہ پر چھوڑ دیں تو یہ عمل کرنے سے آپ کی طبعیت میں بھی بہتری آئے گی، نہ کوئی بلڈ پریشر ہو گا، نہ کوئی شوگر ہو گی، نہ ہی کوئی بیماری آئے گی، بھئی اب تم بھی انسان ہو، تم نے اپنی حد تک کوشش کی، پھر آگے اللہ پر چھوڑ دو، جستجو کو لالچ میں تبدیل نہ کرو، کیونکہ جستجو کا مطلب ہے، محبت سے تلاش کرنا، اپنے اندر محبت رکھ کر تلاش کرنا۔

دنیا کے کئی کان ہیں، کئی ڈھول بجاتے ہیں، کئی ساز بجتے بھی ہیں
دنیا کے کان سُنتے اور بات بھی کرتے ہیں اور خوامخواہ بجتے بھی ہیں

موت سے جوت!

قول40:۔

بہتر زندگی وہ ہے، جس میں کسی کی بھی زندگی بچ جائے، دردمندگی ہو جائے
وہ زندگی شرمندگی ہے، جس میں حق کی فوتگی ہو جائے، من میں مرشد کی موت ہو جائے

—

تشریح: اس قول میں مصنف صاحب فرمارہے ہیں کہ بہتر زندگی وہ ہے، جس کے اندر دردمندگی آجائے، نماز نہ پڑھے، بھلے گوشہ نشینی نہ ہو جائے، کسی انسان، کسی جانور، کسی پرندے کی بے بسی پر، کسی کی غربت پر دل افسردہ ہو جائے، تو یہ عظیم عبادت ہے، یہ بندگی ہو جائے اور پھر دردمندگی ہو جائے، تو جیسے انسان کو سب کچھ مل جائے وہ کیا زندگی ہے، جس میں دردمندگی نہیں ہے، وہ زندگی تو شرمندگی ہے اور پھر اس میں حق کی فوتگی ہے، حق کا مطلب ہے کہ جو ہو رہا ہے، وہ اللہ صحیح کر رہا ہے، اگر تم اس کے اندر ٹانگ اڑاؤ گے کہ اللہ نے ایسے کیاّ، اللہ نے ویسے کیاّ، یہ کیاّ، وہ کیاّ تو یہ حق کی فوتگی ہو جائے گی، اس لیئے ہر کام، ہر چیز منجانب اللہ سمجھو اور منجانب اللہ ہی افسردہ بھی ہو، درد پیدا کرو اور وہ بھی اللہ پر ہی چھوڑ دو، ورنہ حق کی فوتگی ہو جائے گی، اب لکھا ہے کہ من میں مرشد کی موت ہو جائے، اب جو مرشد ہے وہ ہر وقت ساتھ تب رہے گا، جب تم ذکر کرو گے، جب تم حق کو سمجھو گے، اب جب حق تمہارا فوت ہو گیا تو مرشد بھی فوت ہو گیا اور اگر ساری زندگی حق کو مانو تو مرشد تمہارے ساتھ ہے۔

—

شور میں ڈھونڈ مور!

قول41:۔

عمل کے بغیر بات ہو جائے، پھر سچ کی موت ہو جائے، جھوٹ کی جوت ہو جائے
سچ کا الگ سے ایک رُعب ہوتا ہے، جھوٹ کا روز و شب فقط شور ہوتا ہے

تشریح: عمل کے بغیر کوئی بات ہو جائے، گویا کہ سچ کا موت ہو جائے، کیونکہ یہاں کسی کا بھی ایسا عمل نہیں ہے، لیکن وہ ڈرامہ کر کے فقیر بنے ہوئے ہیں، بغیر عمل کے امام بنے ہوئے ہیں، بغیر عمل کے عالم بنے ہوئے ہیں، کوئی بغیر عمل کے وزیر بنا ہوا ہے، تو کوئی بغیر ووٹوں کے مشیر بنا ہوا ہے، تو ایسے بغیر عمل کے سچ کی موت ہو جاتی ہے، پھر سچ پھیکا پھیکا لگتا ہے، ساری دنیا پھیکی پھیکی لگتی ہے، جب ناجائزی اور ناانصافی سے جھوٹ کی جوت ہو جاتی ہے تو پھر ایسے محسوس ہوتا ہے، جیسے کہ سچ کی موت ہو گئی ہو، سچ مرتا نہیں ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سچ کی موت ہو گئی ہے اور آگے جو لکھا ہے کہ سچ کا الگ سے ایک رُعب ہوتا ہے تو دیکھو تم اگر سچے ہو اور کچھ بات بھی نہ کرو، وعظ بھی نہ کرو، سچ کی تبلیغ بھی نہ کرو لیکن خود سچے ہو کر اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے رہو گے تو سچ سے اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھ میں، تمہاری چال ڈھال میں رُعب پیدا کر دے گا، تم ایک سچے انسان اور الگ سے نظر آؤ گے، تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے منبر پر بیٹھ کر وعظ کرنے، کی یہ سب عمل کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ سچ پر عمل کا اتنا رُعب بنا دیتا ہے، ان جھوٹے فریبیوں کو کچھ بھی نہ کہو، لیکن اپنے آپ پر یقین ہونا چاہیئے کہ میں تو سچا ہوں، جب یہ لفظ کہتے ہو کہ میں سچا ہوں، تو

اپنے آپ کو غلاظت پھیلانے سے بھی روک لو، معاشرے میں غلاظت نہ پھیلاؤ، خود کیچڑ میں پاؤں نہ ڈالو، کوئی شکوہ شکایت نہ کرو کہ یہ ہو گیا، وہ ہو گیا! بھئی تُو خود کو روک لے، تُو شور نہ کر، بس اپنا نیک عمل جاری رکھ، یہی سچ کی جیت ہے!!!

عمل سے چمن بنا

قول42:۔

محبت میں ہاتھ کی صفائی دِکھا کر مداری نہ بن
چاہے دور سے درشن کر مگر مدار میں نمودار ہو کر نمونہ نہ بن

تشریح: اس شعر میں مصنف صاحب بتانا چاہ رہے ہیں کہ جیسے ماں بھی ایسے کرتی ہے کہ ہائے میرا بیٹا، ہائے میرا بیٹا اور بیٹا بھی اپنی ماں کے لیئے ایسے کرتا ہے تو ہر چیز میں تماشہ کرنا، معنی ڈرامہ کرنا، ایکسڑا کرنا، یہ غلط بات ہے، کیونکہ جب بیٹا، بیٹا ہے اور باپ، باپ ہے تو اتنا ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کے لیئے یہ کیّا اور بیٹا کہتا ہے کہ باپ کے لیئے میں نے ایسے ایسے کیّا تو یہ سب مداری کے تماشہ کے برابر ہے، آجا میرے بیٹے یہ کھالے، میرے بیٹے نے یہ پڑھ لیا، میں نے اُسے وہاں بھیج دیا، یہ سب گڈ گڈی بجا کر لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے، اس لیئے محبت میں ہاتھ کی صفائی نہ دِکھانی چاہیے، دور سے ہی درشن کیا جائے، مدار میں نمودار نہ ہونے کا مطلب ہے کہ جو سچ ہے وہ دیکھ، مدار میں نمودار ہو کر تماشہ کا نمونہ مت بن، اگر تم یہ ڈرامائی محبت دل میں رکھ کر پھر کوئی کام کروگے تو مداری کہلاؤ گے، اگر عشق کی اونچائی پر جا کر، نمودار ہو کر دیکھو گے، تو پھر خود ہی ستارہ بن کر نمودار ہو جاؤ گے۔

ادب کی بات

قول43:۔

تیری بقا تیرے آقا میں، میری بقا میرے آقا میں
تُو وہاں نہ جاسکا اور یہاں نہ آ سکا میں
وفا بھی نہ کرسکا میں، جفا بھی نہ کرسکا، زہر بھی نہ کھا سکا میں
شاکرؔ کا سکہّ چلے گا، نمانو نے چلا دیا، اب دھرا کیا ہے بقا میں

تشریح: اس شعر میں نمانا صاحب فرمارہے ہیں کہ کسی کا کوئی عقیدہ ہے توکسی کا کچھ عقیدہ ہے، کسی کی مسلک سے عقیدت ہے، کسی کی مکّہ سے ہے، کسی کی مدینے سے ہے، کسی کا عقیدہ مندر ہے، کسی کا عقیدہ گرجا ہے، کسی کا عقیدہ مرشد ہے، کسی کی عقیدت ماں سے ہے، کسی کا عقیدہ باپ ہے، یہ ساری عقیدتیں ہیں، اب تیری بقا تیرے آقا میں ہے، یہ مان لے تو کہ تُو صحیح ہے، واقعی تیری بقا تیرے آقا میں ہے، اُس کو ہی تُو مانتا رہ، میرے آقا کو تُو نہ مان بھلے، لیکن میرے آقا میں میری بقا ہے اور تیرے آقا سے تیری بقا ہے، تو اس رشتے میں ہم دونوں بھائی ہیں، عقیدے کی پختگی پر ہم بھائی ہیں، تُو اپنے عقیدہ پر خوش، میں اپنے عقیدہ پر خوش ہوں، تُو میرا بھائی ہے، میں تیرا بھائی ہوں، نہ میں تیرے کو چھیڑوں، نہ تُو مجھے چھیڑ، جب تمہیں پتہ ہے کہ تُو اپنا عقیدہ نہیں چھوڑے گا اور میں اپنا عقیدہ نہیں چھوڑوں گا تو یہ ایک ہونے کی خواہش کرنا، ایک دوسرے سے مناظرہ کرنا، ایک دوسرے کو اپنے عقیدے کے بارے میں کھول کھول کر بتانا، گلہ پھاڑ پھاڑ کر اپنے عقیدے کے بارے میں بتانا، یہ

سب تجھے کس نے ذمے لگایا ہے کہ تُو اپنے عقیدے میں لوگوں کو شامل کر؟ اب نہ تو تُو آسکے گا میرے عقیدے میں اور نہ ہی میں تیرے عقیدے میں آسکوں گا، تو اس پر بحث کیوں کریں؟ تُو اپنے میں خوش، میں اپنے میں خوش، تیسرا قطعہ ہے کہ وفا بھی نہ کرسکا میں، جفا بھی نہ کرسکا میں، زہر بھی نہ کھا سکا میں، بھئی یہ بات تسلیم کرلے کہ جو میں نے عالم ارواح میں وعدے کیئے تھے میں ان کی وفا نہ کرسکا، چاہے کتنے ہی لوگ اس کے گرویدہ ہوں، تو بہت سے لوگ ہونگے جو کہیں گے کہ اس نے بے وفائی کی ہے، کمانڈر ہو، بادشاہ ہو اور تُو یہ سمجھ رہا ہے کہ تیرے ساتھ بے وفائی ہوئی ہے اور دوسرے سمجھ رہے ہیں کہ تُو بے وفا ہے تو بھئی اس دُکھ میں تُو بھی جفا ثابت نہ کرسکا اور ناہی زہر کھا سکا، بھئی بے وفائی کا تجھ پر الزام ہے، کیا تُو نے زہر کھایا، کیا اپنے آپ کو مارلیا، ختم (Shoot) کرلیا؟ نہیں نا! تو پھر تم جس کو بے وفا سمجھ رہے ہو، وہ ایسے کیوں کرے گا؟ نہ وہ مرے گا، نہ تُو مرے گا، اس لیئے تُو بھی معاف کردے، وہ بھی معاف کردے گا، وہ بھی صحیح کہہ رہا ہے کہ تُو بے وفا ہے اور تُو بھی صحیح کہہ رہا ہے کہ وہ بے وفا ہے، چلو بھئی! قصّے کو ختم کرو، بات کو بھی ختم کرکے آگے چلو۔

—

فنا کردیا فتویٰ دینے والوں نے فکر کی بزم کو
نفس اپنے کو راضی کرنے کے لیئے، فتویٰ دیکر فتح کرلیا سارے ہجوم کو

—

عـدم کی بات

قول44:۔

میری عمدگی میرے لیئے بیہودگی بن گئی، زہر زندگی بن گئی
میری خوبصورتی بُت کی مورتی بن گئی، میرے ہی محبوب سے میری ٹھن گئی

تشریح: اس میں شاعر صاحب فرمارہے ہیں کہ میری عمدگی یعنی خودپسندی کہ میں ہی اچھاہوں، سچاہوں، میں ہی بہترین ہوں، یہ میری عمدگی کا گانا گا کر میں نے عمدگی کو بیہودگی میں تبدیل کردیاہے، اب اگر یہی کہے جاؤ گے کہ میں اچھا، میں سچا، یعنی تو پھر اس کا مطلب ہوگا کہ تُو بُرا ہے، اب یہ تو بیہودگی ہوگئی، اب جیسے کوئی اعوان ہے، کوئی شیعہ ہے، کوئی سُنی اور میں بولوں کہ میں راجپوت ہوں، اور ہم راجپوت ایسے ایسے ہیں تو بھئی اور کیاچُوڑے ہیں اور اگر ہیں، تو بھی اچھے ہیں، بھئی کسی سے اپنی تعریف کرواکے کسی اور کو ڈی گریڈ کیوں کیّا جائے؟ اپنی عمدگی کو بیہودگی میں تبدیل کیوں کیّا جائے؟ اس لیئے میری نصیحت ہے کہ عمدگی کو بیہودگی میں تبدیل نہ کرو، "میری خوبصورتی بُت کی مورتی بن گئی، میرے ہی محبوب سے میری ٹھن گئی" میں خود کو آئینے میں دیکھوں، اپنی ہی تعریف کروں، اپنی مورتی پر خوش ہوں، اب جب کچھ دنوں کے بعد میرے چہرے پر جھریاں پڑجائیں گی تو میں کہاں جاؤں گا؟ پھر میرے محبوب سے میری ٹھن گئی، یعنی میرا اور اُس کا اختلاف ہوگیا، اب یہ میری خودپسندی تو عارضی تھی، کچھ عرصے کے بعد جھریاں پڑگئیں، آنکھیں اندر چلی گئیں، تواب میری اور میرے محبوب کی ٹھن گئی، یعنی میں خود کو ہی محبوب کہا کرتا تھااور اب جب میں نے اُسے آئینے میں دیکھا تو ہماری ٹھن گئی، یہ تو ہوناہی ہوناہے، تواس لیئے آپ کی عمدگی پھر بیہودگی میں بدل جائیگی اور تُو پھر بھی نہ

مانے گا تو پھر تیری سوچ اور تیرے جسم کی ٹھن جائے گی، اختلافات ہو جائیں گے، پھر کیا کرے گا تُو؟ دوسروں کو اچھا اچھا کہتا رہ تو تیرا بھی اچھا ہی ہو گا، تیری اور تیرے جسم کی سوچ میں ہم آہنگی ہو جائے گی، اس سے تمہارا تعلق خراب نہیں ہو گا، لیکن جب تُو اس کو اتنا چڑھا دے گا تو خود ہی پچھتائے گا، خود کو ہی بُرا لگے گا، ہو گا تیری آنکھ کا دُھندلا پن، لیکن تجھے اپنا آپ نظر خود بُرا آئے گا، نہ شیو کر سکے گا، بال بکھر جائیں گے، پاؤڈر لگائے گا تو کہیں کہیں لگ جائے گا اور کہیں رہ جائے گا، تم آئینہ سے یعنی اپنے آپ سے ڈرتے رہو گے، تو اس میں شاعر صاحب خود پسندی سے گریز کرنے کی نصیحت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اپنے اندر اوروں کے لیئے بھی گنجائش رکھ، صرف خود کو ہی پسند کرنا صحیح نہیں ہے، اس میں انسان بھٹک جاتا ہے، مایوسی کی طرف چلا جاتا ہے، تو اس لیئے خود پسندی سے پرہیز کرو۔

حق موجود

شعر45:۔

موجود جب ہوتا ہے، وجود اگر ہوتا ہے
سجود تب ہوتا ہے، جب کوئی موجود ہوتا ہے

—

تشریح: کوئی اگر موجود ہو تو دے کر لامحدود بن جانا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات وہ ہے جو موجود بھی نہ ہو، پھر بھی جو سب کچھ ہو، وہ دے دے اور جو کچھ نہ بھی ہو، اس کو تصوّر میں لا کر وہ بھی دے دے، یہ بڑی بات ہو سکتی ہے، کیونکہ پھر اللہ کی کائنات میں بھی پورا پورا حصّہ ہو جاتا ہے، ایسا کرنا بڑی بات ہے اور ایسا ہونا بھی بڑی بات ہے۔

—

پختہ یقین

قول46: ماضی تو تیرا قاضی ہے، اگر تُو اس سے راضی ہے، تو یہ اللہ نوازی ہے، فیاضی تیری ہی ریاضی ہے، مگر یہ پتہ اللہ کو کہ مرنے والا شہید ہے یا غازی ہے۔

—

یاد میں ہی شاد، پھر تو وہ آباد ہے
ناد ہی عقائد ہے، پھر عقیدت من میں آباد ہے

—

تشریح: ماضی کی سب باتیں یاد کرنے سے تکلیف ہوتی ہے، اچھا ماضی ہو یا بُرا، لیکن ماضی کو یاد کرنا ایک لحاظ سے بہترین زندگی گزارنے کا سبب بھی بنتا ہے کہ ماضی کے وعدے، ماضی کے مُشاہدے، ماضی کی مقبول دُعائیں یاد کرنے سے بہترین فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور انسان کو اپنی زندگی میں ہی اپنی موت کو سنوارنے کا موقع مل سکتا ہے، اپنے ماضی میں یا تنہائی میں کیے ہوئے وعدے کو پورا کر کے تم اپنی راہ بنا سکتے ہو اور اپنے مقصد کو سمجھ سکتے ہو اور ماضی میں اللہ سے بنایا ہوا تعلق برقرار رکھ سکتے ہو، کیونکہ ایسے ہوتا ہے کہ انسان پریشانی میں وعدے کرتا ہے اور پھر جب اچھا وقت آجاتا ہے تو وہ اپنے وعدے بھول جاتا ہے اور اللہ سے وعدہ خلافی کرجاتا ہے، جس کا حساب دینا ہوگا، اس لیئے شاعر صاحب انسان کو ماضی کو یاد رکھنے کی صلاح دے رہے ہیں کہ کہیں اچھے وقت میں بھٹکے لوگ آخری وقت کو پہنچ جائیں اور پھر ان کے لیئے وقت نہ بچے، اس لیئے اپنے ماضی کو دھیان میں رکھ کر حال کو گزارو، تاکہ مستقبل سنور جائے اور زندگی سُدھر جائے۔

پہلے الزام پھر الہام

شعر 47:۔

دنیا میں ہر طرح کی تہمتیں اور آوارگی کا الزام مِلا
شاکرؔ لوگوں نے تجھے شرک کا مرتکب کیا، تجھے شُکر کرنے کا موقع مِلا

تشریح: جب زندگی میں انسان پر مختلف قسم کی تہمتیں اور الزامات لگتے ہیں تو بہت سے صوفی بزرگوں اور فلاسفروں نے اِن تہمتوں اور الزاموں کو انسان کا وضو کہا ہے، جیسے نماز سے پہلے وضو پاک صاف طہارت ہے تو الزامات بھی وضو بن جاتے ہیں، بشرطیکہ یہ جھوٹے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سوچ کے ہیرے جواہرات عطا کیئے ہیں، بصیرت عطا کی ہے اور جب تک یہ جھوٹے الزام نہ لگیں گے، تب تک وہ عطائیں حرکت میں (Activate) نہیں آتیں، ان کا بٹن ہی تہمت ہے، پھر جب انسان کے اندر کے جواہرات کا بٹن ہی تہمت ہے تو اس لیئے انسان کو اس تہمت سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیونکہ جب تک اس پر جھوٹی تہمتیں نہ لگیں گی اور وہ سنجیدگی سے ان پر غور و فکر نہ کرے گا کہ کہاں سے آیا، کیوں آیا، کیسے آیا؟ اور میں نے یہ کام کیا ہی نہیں ہے، اللہ تو دیکھ رہا ہے، پھر انسان کا اللہ پر بھروسہ بڑھتا ہے اور پھر ہی شُکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور شاعر نے جو لکھا ہے کہ شرک کا مرتکب کیا، اس کا مطلب ہے کہ کہیں میں نے سجدہ کیا تو جو ظاہر میں دیکھا گیا، تو اس کو شرک سمجھا گیا اور جب اوروں نے الزام لگایا کہ یہ شرک کر رہا ہے تو میں سجدے میں گیا تو مجھے وہاں سے شُکر کرنے کا موقع ملا، کیونکہ اوروں کو لگا کہ یہ شرک کر رہا ہے اور مجھے

اس ہی سجدے میں اپنی اوقات معلوم ہوگئی اور مرشد کا پتہ لگا کہ جب یہ میرے دماغ میں نہیں سمارہا، اللہ نے جس کو نوازہ ہے، وہ یہ ہے تو وہ نوازنے والا کیا ہوگا!؟ پھر بندہ اس نوازے ہوئے کو سجدہ کرتا ہے، کیونکہ اس کو معاملہ سمجھ میں آجاتا ہے اور شُکر کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اب دیکھو نہ! جیسے آٹا گوندھتے ہوئے بندہ ہلتا ہے تو اگر کوئی بندہ نیچے رکھے آٹے کو نہ دیکھے، صرف ہلتے ہوئے بندے کو دیکھے تو وہ کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ بندہ آٹا گوندہ رہا ہے، تو جو سجدے میں پڑا ہے، وہ اوروں کے سامنے ایسے ہے کہ وہ مرشد کے سجدے میں پڑا ہے اور اوروں کو یہ شرک لگ رہا ہے، جبکہ اسے شُکر کرنے کا موقع مل گیا اور جسے شُکر کرنے کا موقع مل گیا، اسے شکّر گُڑ مل گیا، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ شُکر کرو، شُکر کرنے سے میں ہر چیز ڈبل ٹرپل بڑھا دیتا ہوں اور جب بندے کو سجدے میں موقع مل رہا ہے تو وہ پھر اوروں کی کیوں سُنے گا۔

بندہ پروری

سوال: بندہ پروری کیا ہے؟

جواب: عدنان بھائی پرورگری کا مطلب ہے کہ ہر انسان کی صورت کو اللہ کی صورت سمجھا جائے اور ہر انسان کو دیکھتے ہی ایسے ہو، جیسے پورا قرآن پڑھ لیا ہو، اس کی آنکھوں کی تعریف کی جائے، چہرے کی تعریف کی جائے کہ اللہ کی خاص تخلیق ہے اور میں بھی اس پر مر مٹوں گا، کسی سوالی انسان پر دل تڑپ جائے، کسی اور کا دُکھ دیکھ کر دل دہل جائے اور آدمی کے احساسات جاگ جائیں، احساس آجائے، یہی بندہ پروری ہے۔

اِس سوال پر بڑی تفصیل لکھی جاسکتی ہے اور ہم نے لکھی بھی ہے، لیکن اگر اس وقت سمجھنا چاہتے ہیں تو سمجھنے کے لیئے جواب یہ ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ انسان سے محبت کرنا، صرف منجانب اللہ سمجھ کر، یہ بڑی عبادت ہے اور سُنار بھی گاہک کو زیور دینے کے لیئے اِن زیورات کو چمکانے کے لیئے سینک لگاتا ہے، جس سے وہ زیور چمک جاتا ہے اور خوبصورت لگتا ہے، ایسے ہی دل کو اللہ کے ذکر فکر کا سینک لگا کر صاف شفاف کرنے کے بعد ہی کائنات کے نظارے دیکھنے کو ملیں گے۔

آئینہ گری

سوال: آئینہ گری کیا ہے؟

جواب: عدنان بھائی سوال تو دو لفظوں کا ہے، لیکن جواب کی لمبی تفسیر بتانی پڑے گی، جب ہی آپ کو سمجھ آسکے گا، خیر! مثال کے طور پر محاورہ میں ایسے بھی کہا جاتا ہے کہ پوشاک انسان کے اندر کی آئینہ دار ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص باہر سے صاف ہے، زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ اندر یعنی دل سے بھی صاف ہے، جس کے لیئے انگریزی میں بھی کہاوت ہے کہ "فرسٹ ایمپریشن ہی از لاسٹ ایمپریشن" یہ آئینہ گری کی مثال ہے، کیونکہ آدمی کے دل میں جو ہوتا ہے، وہ کبھی نہ کبھی باہر نکال ہی دیتا ہے اور اس کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسری مثال: اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم چہرہ دیکھ کر ہی پہچان لیتے ہیں، اُس کو بھی آئینہ گری کہتے ہیں اور اس کو اس طرح سمجھنا کہ بیج کے اندر پورا تناور درخت دیکھ لینا، یعنی مستقبل بینی بھی کہتے ہیں۔

اس سوال کی ایک مثال ایسی ہے کہ ایک ہوتا ہے بالکل شفاف شیشہ، جس میں آپ شیشے کی ایک طرف سے دیکھو گے تو شیشے کی دوسری طرف کا نظارا بھی آپ کو نظر آئے گا اس کو کہتے ہیں شفافیت، اب شیشے پر جو سینک لگاتے ہیں، جسے شیشے کی ایک طرف لگایا جاتا ہے اور پھر وہ آئینہ بن جاتا ہے، معنٰی جس میں آپ خود کو دیکھ سکتے ہو، مگر دوسری طرف کسی کو نہیں دیکھ سکتے، کیونکہ عام شیشے سے روشنی دوسری طرف گزر جائے گی، لیکن سینک لگے ہوئے شیشے پر روشنی ٹکرا کر واپس آئے گی، اب یہ تو سمجھایا ہے کہ شیشے سے آئینہ کیسے بنتا ہے، اب اس کی مثال انسان پر دی جائے گی تو وہ ایسے دی جائے گی کہ اگر انسان پرہیز کرے گا، باہر سے جھوٹ فریب کرنا بند کرے گا اور دنیا میں ظاہر کی آنکھ کو بند کرے گا تو اس کی اندر کی آنکھ کھل جائے گی، جیسے شفاف شیشے پر سینک لگنے کے بعد خود کا چہرہ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے، ایسے ہی ظاہر کی آنکھ بند کر کے اندر کی صورت دیکھی جا سکتی ہے، کیونکہ انسان کے اندر پوری کائنات چھپی ہوئی ہے وہ کائنات خود نظر آنا شروع ہو جاتی ہے، اس کو کہتے ہیں آئینہ گری کہ پہلے اپنے آپ کو شفاف شیشہ بناؤ، جیسے صوفی سے مطلب صاف ہے، تو پہلے خود کو صاف شفاف شیشہ بناؤ، اس کے بعد اُس کو سینک لگا کر آئینہ بناؤ، جیسے ظاہری آنکھیں بند کرنے سے اندر کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں، اس طرح ہر طرف حق سمجھنے سے اندر میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور آئینہ بنتا ہے، اس کو آئینہ گری کہتے ہیں۔

ہے اگر خیال عشق کرنے کا نکل کے باہر کرو
ہے عشق وہ آگ جو جلائی یا چلائی نہیں، لگ جاتی ہے